سیدنا صدیق اکبرؓ کی صداقت ورفاقت نبوی پر آیت الغار کی روشنی میں بے مثال علمی تجزیہ

ثانیِ اثنین

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

امامِ پاکستان

حضرت مولانا سیّد احمد شاہ بخاری اجنالوی چوکیروی

دارالکتاب

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

امامِ پاکستان حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری قدس سرہٗ نے چوکیرہ سے ایک ماہنامہ "الفاروق" جاری کیا تھا۔ جو عرصہ چار سال تک متواتر صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر کیے گئے تمام اعتراضات کا شافی، مدلل اور مسکت جواب دے کر حقِ تحقیق ادا کرتا رہا۔ یہ پرچہ مولوی اسماعیل شیعہ کے اخبار "صداقت" (گوجرہ) کا منہ توڑ جواب تھا۔

۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۶۰ء تک ماہنامہ "الفاروق" میں نہایت قیمتی مضامین قسط وار شائع ہوتے رہے۔ جنھیں یکجا کر کے ہم مستقل کتاب کی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے احقر نے "امامِ پاکستان اکیڈمی" اور "دار المبلّغین" قائم کر دیا ہے۔ اس اکیڈمی کی طرف سے پہلی لاجواب کتاب "**تحقیقِ فدک**" چوتھی بار شائع ہو کر ملک کے کونے کونے میں پہنچ چکی ہے۔ اور اب دوسری کتاب "**ثانی اثنین ابوبکر صدیق**" شائع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ جو ایک تحقیقی مضمون ہے۔ اور خصوصاً علماء و طلباء کے لیے ایک گوہرِ نایاب ہے۔

حضرت والد صاحبؒ کے جملہ مضامین میں جہاں کہیں "معزز معاصر" اور "خصم" کا لفظ آیا ہے، اس سے مُراد مولوی اسماعیل شیعہ ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت والد صاحبؒ نے اپنے بلند علمی پایہ کے باوجود زیرِ نظر مضمون اپنے پیر و مرشد شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کو لفظ بلفظ سنایا، آپؒ نے اس کی توثیق فرما کر اسے شائع کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں اس مشن میں کامیاب فرمائے۔ اور مذہب اہل السنّت والجماعت کا دفاعی قلعہ مضبوط ہو۔ آمین بجاہِ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادمِ اہل السنّت والجماعت **سیّد محمد قاسم شاہ بخاری**

Scanned with CamScanner

خواجۂ اوّل کہ اوّل یارِ اوست
ثانی اثنینؓ اِذ ہُما فی الغارِ اوست

(شیخ فریدُالدین عطارؒ)

○

آں امن النّاس بر مَولائے ما
آں کلیمِ اوّلِ سِینائے ما

ہمّتِ او کِشتِ مِلّت را چو ابر
ثانئ اِسلام غار و بدر و قبر

اقبالؒ

پیش لفظ

الحمد للہ والصلوٰۃ علیٰ عبادہ الصالحین ○ امابعد ناظرین با تمکین! سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد اللہ رب العزت نے اسلام کے تحفظ کے لیے ہر دور میں چند منتخب ہستیاں پیدا فرمائیں۔ جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیت سے قرآن و حدیث کی سچی تعلیم کو قائم رکھا۔ ان مقتدر ہستیوں میں نادرِ روزگار دُرِ شہوار امام پاکستان فخر سادات حضرت علامہ فضیلت مآب مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری قدس سرہٗ تھے۔ قدرت نے تقریر و تحریر کے ذریعے سننے اور پڑھنے والے کے دلوں کو متاثر کرنے کی پوری توفیق عطا فرمائی تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے بھی اپنی اس خداداد صلاحیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور خطابت کے ساتھ تصنیف سے دینِ حق کی عظیم خدمت انجام دی۔ فجزاہُ اللہ احسن الجزاء۔

ضرورت تھی کہ ان علمی جواہر پاروں کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی صورت پیدا کی جاتی۔ رب کریم جزائے خیر کے ساتھ مزید توفیق ارزانی فرمائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے حقیقی جانشین لائقِ صد تحسین حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری کو کہ انھوں نے ایک ادارہ اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قائم فرمایا۔ اس ادارہ میں باقاعدہ ہر سال **دورۂ تبلیغ** ہوتا ہے۔ جہاں ملک کے ممتاز علمائے کرام مذہبِ حق اہل السنت والجماعت پر کیے گئے جملہ اعتراضات کے شافی جوابات سمجھا کر طلباء میں مناظرے کی استعداد پیدا کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اصل کام یعنی حضرت امام پاکستانؒ کی علمی تحقیقات کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک عظیم دینی و علمی ذمہ داری تھی۔ جسے پورا کرنے کے لیے قدرت نے اسی خانوادے کا انتخاب فرمایا۔

زیرِ نظر کتابچہ امام پاکستان سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل پر تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو آنکھوں کے راستہ سے دل میں اتارنے کے قابل ہے اور اس کے بارے میں صرف اتنا کافی ہے کہ ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

دعا ہے کہ اللہ پاک اس خدمت کو قبول فرمائے اور حضرت امام پاکستانؒ کے دُرِ کمیاب کو مزید مسلمانوں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

احقر (قاری) عبدالسمیع عفی عنہ سرگودھا

Scanned with CamScanner

حضرت خلیفۂ اولؓ کے مختصر حالات

اس بات پر تمام محدثین اور مفسرین اور مورخین کا اتفاق ہے کہ اس دنیائے ناپائیدار میں جس قدر مدت حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے گذاری ہے اسی قدر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے گذاری ہے، ذرہ بھر فرق نہیں ہے۔ حضور پُر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۳ برس ہوئی ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عمر بھی ۶۳ برس ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت باسعادت ۲۰ر اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔ اس حساب سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی ولادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے اتنا ہی پیچھے ہوگی۔ جتنا کہ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سریر آرائے خلافت رہے جو تقریباً دو سال چار مہینے ہوتے ہیں۔ پس اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ولادت کی تاریخ معین کرنے کے واسطے کہدیا جائے کہ آپؓ ۱۶ر اگست ۵۷۳ء کو پیدا ہوئے تو ان شاء اللہ تعالیٰ غلط نہ ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تین حصے کیے جاسکتے ہیں۔ پہلا حصہ ولادت سے لے کر اسلام قبول کرنے تک ہے۔ دوسرا حصہ قبولِ اسلام سے لے کر حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات تک ہے۔ تیسرا حصہ وفاتِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر روح کے پرواز تک ہے۔

پہلا حصہ: اس حصہ میں باوجود تلاش کے صرف چند چیزیں دستیاب ہوئی ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستانہ تعلقات تھے اور اس طرح کہ دوستی عموماً میل اور ملاقات کا باعث ہوا کرتی ہے یہ دونوں بزرگ اس زمانہ میں بھی ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔ بلکہ تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانۂ اقدس میں بکثرت جاتے تھے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خانۂ صدیقؓ میں عموماً تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حسبِ دستورِ اہلِ مکہ تجارتی کاروبار شروع کیا اور کپڑے کی تجارت میں آپؓ نے خوب نام پیدا کیا۔

Scanned with CamScanner

(۳) بغرضِ تجارت آپؓ کئی دفعہ شام گئے۔ ایک دفعہ آپؓ کی ملاقات بحیرا راہب سے بھی ہوئی۔ بحیرا راہب چونکہ دور دور تک مشہور تھا اور لوگ اس سے خوابوں کی تعبیر پوچھنے کے لیے بڑے بڑے سفر کرکے آتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی بحیرا راہب کے سامنے اپنا ایک خواب بیان کیا۔ جیسا کہ سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ ۳۱۰ پر ہے: رَأَى الْقَمَرَ نَزَلَ إِلَى مَكَّةَ فَدَخَلَ فِي كُلِّ بَيْتٍ مِنْهُ شُعْبَةٌ ثُمَّ كَانَ جَمِيعُهُ فِي حِجْرِهِ فَقَصَّهَا عَلَى بَعْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَعَبَّرَهَا لَهُ بِأَنَّهُ يَتْبَعُ النَّبِيَّ الْمُنْتَظَرَ الَّذِي قَدْ ظَلَّ زَمَانُهُ وَ أَنَّهُ يَكُونُ أَسْعَدَ النَّاسِ بِهِ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خواب میں چاند کو دیکھا کہ مکہ شریف میں اُتر آیا ہے اور ہر ایک گھر میں ایک ایک ٹکڑا پہنچ گیا ہے۔ پھر چاند کے تمام ٹکڑے اکٹھے ہو کر ابوبکرؓ کی گود میں آگئے ہیں۔ آپؓ نے اپنا یہ خواب اہلِ کتاب میں سے بعض علماء کے سامنے پیش کیا تو اس نے تعبیر میں کہا کہ تو اس نبیؐ کی تابعداری کرے گا جس کی انتظار میں زمانہ ہے اور اس کے ظہور کا زمانہ بہت قریب آچکا ہے اور تُو اس نبیؐ سے سب لوگوں کی نسبت زیادہ نفع پائے گا۔

صاحب سیرت حلبیہ علی بن برہان الدین حلبی کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب کے جس عالم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خواب بیان کیا تھا وہ بحیرا راہب تھا۔

(۴) ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بغرضِ تجارت یمن کے علاقہ میں گئے۔ وہاں ایک عالم سے ملاقات ہوئی، جو قبیلۂ ازد سے تھا اور کتب سماویہ کا علم رکھتا تھا۔ اس ازدی عالم نے آپؓ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ میں تجھے مکہ شریف کا باشندہ خیال کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس ازدی عالم نے کہا، میں تجھے قریشی خیال کرتا ہوں آپؓ نے اس کے جواب میں بھی ہاں فرمایا۔ پھر اس ازدی عالم نے کہا میں تجھے تیمی یعنی "تیم کا پوتا" خیال کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاں فرمایا۔ چوتھی دفعہ اس عالم نے کہا کہ اب صرف ایک بات باقی رہ گئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا وہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ تو اپنے پیٹ سے کپڑا اتار دے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ کافی تکرار کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اتارا تو اس عالم نے کہا کہ: واقعی تو وہی ہے جس کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔

Scanned with CamScanner

پہلی کتابوں میں چوتھی علامت ناف کے اوپر خال سیاہ لکھا ہوا ہے۔ یہ چاروں علامتیں اس شخص کی ہیں جو نبی آخرالزمان پر سب سے پہلے ایمان لائے گا اور اس کا بھارا معاون ہوگا اور اس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کا جانشین ہوگا۔

(۵) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قریشِ مکہ میں صاحبِ عزت اور صاحبِ دولت تھے۔ رؤسائے قریش میں سب سے زیادہ صاحبِ اخلاق تھے۔ دنیاوی مہمات میں قریش آپ سے مشورہ طلب کرتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے اور اس قدر صاحبِ سخاوت تھے کہ ناواقف لوگوں کی حاجت روائی میں ضرب المثل تھے۔ تمام قریش کے محبوب تھے اور تعبیرِ خواب میں اپنی نظیر آپ تھے۔ امام محمد بن سیرین فرمایا کرتے تھے: كَانَ اَبُوْبَكْرٍ اَعْبَرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام امت میں تعبیرِ خواب کے لحاظ سے مقدم تھے اور فائق تھے۔

(۶) عرب کے علوم و فنون میں علم انساب کو جو درجہ حاصل تھا وہ کسی دوسرے علم و فن کو حاصل نہ تھا۔ تمام عرب میں اس علم کو بڑا قبول حاصل تھا۔ کتبِ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ انساب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ عرب میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علم الانساب میں کمال پیدا کیا تھا۔ مگر وہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا استاذ تسلیم کرتے تھے۔ اطمینانِ قلب کے لیے دیکھو: سیرتِ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۹

(۷) عرب میں حرب فجار کے نام سے کئی جنگیں ہوئی تھیں۔ سب سے آخری جنگ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی شامل ہوئے تھے۔ اس وقت آں حضورؐ کی عمر شریف بیس برس کی تھی۔ اس جنگ سے واپسی پر قریشِ مکہ نے مشورہ کیا کہ آئندہ جنگ بند کر دینا چاہیے۔ کیونکہ جنگ نے عرب کا ستیاناس کر دیا تھا۔ جنگ کی بندش کی صورت یہ تجویز کی گئی کہ ظالم کی امداد نہ کی جائے۔ اور مظلوم کی امداد کو فرض قرار دیا جائے۔ اس کے لیے ایک انجمن بنائی گئی۔ جس کا نام "حِلفُ الفُضول" تجویز کیا گیا۔ اس انجمن کی ممبری کی شرط یہ تھی کہ ظالم سے بیزاری اور مظلوم کی حمایت کی جائے۔ اس انجمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل ہوئے تھے۔ آں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس انجمن کی بعثت کے بعد بھی بہت تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اب بھی مجھے "حلف الفضول" میں

Scanned with CamScanner

شمولیت کی دعوت دی جائے تو میں ہر قیمت پر اس کو قبول کروں گا۔

(۸) کتبِ سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مکہ شہر میں ایک مہمان خانہ تعمیر کیا تھا۔ جس میں اترنے والے مسافروں کو طعام و قیام کی سہولت ہوتی تھی۔ کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا۔ دیکھو سیرتِ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۰۹

(۹) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبولِ اسلام سے پہلے بھی غیر اللہ کی عبادت نہیں کی۔ جیسا کہ سیرتِ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۰۵ پر مرقوم ہے: "اِنَّ اَبَابَکْرٍ لَمْ یَسْجُدْ لِصَنَمٍ قَطُّ عَدَّ ابْنُ بجَوْزِیِ مِمَّنْ رَفَضَ عِبَادَۃَ الْاَصْنَامِ فِی الْجَاهِلِیَّۃِ اَیْ لَمْ یَاتِ بِهَا اَبَابَکْرٍ الصِّدِّیْقُ وَ زَیْدُ بْنُ عَمْرو بن نُفَیْلٍ وَ وَرَقَۃُ بْنُ نَوْفَلٍ وَ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ جَحْشٍ وَ عُثْمَانُ بْنُ الْحُوَیْرِثِ وَ رَبَابُ بْنُ الْبَرَآءِ وَ اَسْعَدُ بْنُ کُرَیْبِ الْحُمَیْرِیْ وَ قُسُّ بْنُ سَاعِدَۃَ الْاَیَادِیْ وَ اَبَا قَیْسِ بْنُ صِرْمَۃَ"۔ "تحقیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی بُت کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔ اور ابنِ جوزیؒ نے ابوبکر صدیقؓ کو اور زید بن عمرو بن نفیل کو اور ورقہ بن نوفل کو اور عُبید اللہ بن جحش کو اور عثمان بن حویرث کو اور رباب بن براء کو اور اسعد بن کریب حمیری کو اور قس بن ساعدہ ایادی کو اور ابو قیس بن صرمہ کو ان لوگوں میں شمار کیا ہے جنھوں نے جاہلیت میں بتوں کی عبادت نہیں کی تھی"۔

نوٹ سیرت حلبیہ کی پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قبل از اسلام بھی کسی بُت کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔ اور دوسری روایت جو محدث ابنِ جوزیؒ سے نقل کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ جاہلیت میں غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے والوں میں پہلا نمبر ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ان میں بعد از اسلام ایسا شرک موجود تھا جو چیونٹی کی چال چلتا تھا، تو وہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ قبل از اسلام شرک کی تمام اقسام سے نفرت رکھتے تھے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بعد از قبولِ اسلام اس نجاست سے ملوث ہو جائیں؟

(۱۰) عربی زبان میں "دِیَتْ" خون بہا کو یعنی خون کی قیمت کو کہتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں خون بہا مقرر کرنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھا۔ خون کے مقدمے آپؓ کے پاس آتے تھے۔ آپؓ ہی ان مقدمات میں جو فیصلہ کرتے تھے وہ قریشِ مکہ کو منظور ہوتا تھا جس شخص پر خون کی قیمت ادا کرنی واجب ہو جاتی تھی۔ اگر وہ فوراً ادا نہ کر سکتا تو اس کی ضمانت

Scanned with CamScanner

کے لیے صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ بغیر اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ تمام قریش اور ساکنانِ حرم آپؓ کو راست گو اور صاحبِ امانت جانتے تھے اور ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ آپؓ کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ جیسا کہ سیرت کی مشہور کتاب "عُنْوَانُ النَّجَابَة" صفحہ ۱۷ پر ہے : "وَكَانَ اِلَيْهِ الدِّيَاتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ اِذَا حَمَلَ شَيْئًا صَدَّقَتْهُ قُرَيْشٌ وَاَمْضَوْا حُمَالَتَهُ وَحُمَالَةَ مَنْ قَامَ مَعَهُ وَاِنِ احْتَمَلَهَا غَيْرُهُ خَذَلُوْهُ وَلَمْ يُصَدِّقُوْهُ"۔ "اور خون بہا کی تشخیص اور تعیین حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کے ذمہ تھی۔ آپؓ جس بوجھ کو اٹھا لیتے تھے قریش اس کی تصدیق کرتے تھے۔ اور آپؓ کی اور آپؓ کے ساتھ ضمانت میں شریک ہونے والے کی ضمانت کو جاری کرتے تھے اور اگر کوئی اور شخص خون بہا کی ضمانت اٹھاتا تو قریش شرمندہ کرتے تھے اور تصدیق نہیں کرتے تھے"۔

نوٹ یہ دس پیراگراف ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ایسی جامع کمالات ہستی کا اسلام کے اندر داخل ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپؓ کے اسلام کے اندر داخل ہونے کی دیر تھی کہ اسلام کے خلاف ہر قسم کا پروپیگنڈا بے اثر ہو گیا۔ اور اسلام کے اندر داخل ہونے کے واسطے کوئی ہچکچاہٹ باقی نہ رہی بلکہ قاضی نور اللہ شوستری کے بیان کے مطابق آپؓ ہی کے اسلام قبول کرنے پر تمام قریش کے قبولِ اسلام کی مدار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا ہے تو قریشِ مکہ میں سے بڑے معزز آدمی اسلام کی طرف جھک آئے ہیں۔ جیسا حضرت عثمان بن عفان اور زبیر بن العوام اور عبدالرحمان بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عُبید اللہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

دوسرا حصّہ : حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل از اسلام دوستی اور محبت تاریخی مُسلمات میں سے ہے۔ جیسا کہ راقم الحروف ابھی ابھی ذکر کر چکا ہے۔ مزید مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ دعوائے نبوت اور اظہارِ رسالت سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کو وہ نبی خیال کرتے تھے جس کی آمد کی انتظار تھی۔ دیکھو سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۰ : "وَاَخْرَجَ اَبُوْ نُعَيْمٍ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ آمَنَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ النُّبُوَّةِ اَيْ عَلِمَ اَنَّهُ النَّبِيُّ الْمُنْتَظَرُ"۔ "اور ابو نعیمؒ نے بعض صحابہؓ سے روایت کی ہے کہ

Scanned with CamScanner

ابوبکر رضی اللہ عنہ نبوت سے پہلے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ مُراد یہ ہے کہ وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیِ مُنتظر یقین کرتے تھے"۔

نوٹ ناظرینِ کرام کو نبوت سے پہلے ایمان لانے پر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ شامی راہب بحیرا نامی اور ملک یمن کے ازدی عالم کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور گفتگو پہلے نقل کی جاچکی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ واقعی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعویٔ نبوت سے پہلے ہونے والے پیغمبر خیال کرتے تھے۔ راقم الحروف کی اس تفتیش سے سب سے پہلے ایمان لانے والے کا مسئلہ صاف ہوگیا۔ اربابِ تاریخ سب سے پہلے ایمان لانے والے کے بارے طویل گفتگو کرتے ہیں اور مختلف روایات کو ایک خاص دستور کے مطابق تطبیق دینے کی سعی مشکور کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا کرے۔ لیکن جب ابونعیمؒ صاحبِ "حلیۃ الاولیاء" کی روایتِ بالا کو صحیح تسلیم کرلیا جائے، اور صحیح تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے تو بلا اختلاف سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ جن بزرگوں کی اولیت کی روایات آئی ہیں۔ وہ صرف چار بزرگ ہیں :

(۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰ،
(۲) حضرت علی المرتضیٰ،
(۳) حضرت زید بن حارثہ،
(۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم

اور یہ سب روایات دعویٔ نبوت اور اظہارِ رسالت کے بعد کی ہیں۔ لیکن ان چاروں بزرگوں میں سے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک ہستی ہیں جن کے دعویٔ نبوت سے پہلے ایمان لانے کی روایت کتبِ حدیث میں پائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کانوں میں دعویٔ نبوت پہنچا ہے تو آپ نے کوئی انکار نہیں کیا۔ بلکہ تردد بھی ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ دیکھو سیرتِ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۰۔ خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "مَا كَلَّمْتُ أَحَدًا فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا أَبَى عَلَيَّ وَرَاجَعَنِي فِي الْكَلَامِ إِلَّا ابْنَ أَبِي قُحَافَةَ فَإِنِّي لَمْ أُكَلِّمْهُ فِي شَيْءٍ إِلَّا قَبِلَهُ وَاسْتَقَامَ عَلَيْهِ"۔ "میں نے اسلام کے بارے

جس سے بھی گفتگو کی اس نے سوال وجواب کیا۔ مگر ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکرؓ نے کہا کہ: میں نے اس سے جو بات بھی کہی ہے۔ اس نے قبول کرلی ہے اور اس بات پر مضبوطی سے قائم رہا ہے"۔

تاریخ وسیرت کا طالب علم جب اس موقعہ پر پہنچتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے اور اس قدر تسلیم و رضا اس کی سمجھ سے بالاتر ہوجاتی ہے۔ مگر جو شخص اس نکتے کو سمجھ لیتا ہے، جو ابھی مذکور ہوا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسُول جانتے تھے تو پھر حیرانی اور تعجب کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

غارِ حرا مکہ معظمہ کی پہاڑیوں میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کا نام حرا ہے۔ اس میں ایک روپوش ہوجانے کی جگہ ہے جس کا نام "غارِ حرا" ہے۔ وہ شہرِ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے تعلقات سے نفور تھے۔ دنیا اور دنیاداروں سے کنارہ کشی آپؐ کو بہت پسند آتی تھی۔ اس لیے اس غار میں جا کر بیٹھ جاتے تھے اور خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ کچھ خوراک بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ جب وہ خوراک ختم ہوجاتی تھی تو اپنے گھر تشریف لاتے۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پھر خوراک مُہیا کرکے روانہ فرماتیں۔ یہ سلسلہ مہینوں تلک چلتا رہا۔ آخرالامر ایک رات آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقدس غار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپؐ کو نبوت کی خوشخبری سُنائی۔ اور "سورۃِ علق" خدا تعالیٰ کی جانب سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ ؎

گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کُل جہاں کے لیے
حرا میں عرش سے اقرأ کا جب پیام آیا

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم غارِ حرا سے اٹھ کر شہرِ مکہ میں تشریف لاتے ہیں۔ اور اپنے پرانے دوست ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر رضی اللہ عنہٗ سے ملاقات ہوتی ہے اور اطلاع دیتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اپنا رسُول بنایا ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ فوراً اقرار کرتے ہیں کہ آپؐ بے شک خدا کے رسُول ہیں اور بندگی کے قابل اس کے سوا کوئی نہیں۔ اس وقت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عمر کے چالیس برس پورے ہوچکے تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عمر کے

Scanned with CamScanner

چالیس برس پورے نہیں ہوئے تھے، بلکہ تقریباً اڑھائی برس کم تھے۔ جس قدر نبوت کی شہرت ہوتی گئی اسی قدر ساتھ ساتھ اس جوان کی رفاقت اور نصرت کی بھی مشہوری ہوتی گئی۔

بعض قریش کہنے لگے : محمد ﷺ نے نبوت کا دعویٰ از خود نہیں کیا بلکہ یہی ابوقحافہ کا بیٹا ہے جو اس تمام کاروائی کا سبب ہے۔ قریش کا یہ خیال جہاں نصرت اور ہمدردی اسلام سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پردہ اٹھاتا ہے۔ وہاں یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر یہ شخص محمد ﷺ کی امداد نہ کرے۔ تو اس نئے مذہب میں کوئی انسان بھی داخل نہ ہو۔ گو قریش حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے۔ مگر جب آپ نے علی الاعلان حضور ﷺ کی حمایت شروع کر دی تو جس طرح یہ لوگ آپ کے دشمن ہوتے گئے اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھی دشمن ہو گئے۔ اس واسطے تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنے میں یہ دونوں بزرگ مساوی قدم ہیں۔ قریش نے جیسا کہ حضور ﷺ کو دکھ دینے میں کچھ کمی نہیں کی، ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایذائیں پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

اوائلِ اسلام کا زمانہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو علی الاعلان دعوتِ اسلام دی۔ اور ایک پرجوش تقریر کی۔ اسلام کے اندر یہ پہلا خطبہ تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے خطیب تھے۔ قریشِ مکہ اس تقریر کو برداشت نہ کر سکے اور اس خطیب کو اس قدر پیٹا کہ بے ہوش ہو گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس کی موت کا یقین ہو گیا۔ آپ کے والد ماجد ابوقحافہ اور دوسرے بنو تیم آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ سب نے کوشش کی کہ گفتگو کرے۔ مگر بے ہوشی نے طول پکڑا، یہاں تک کہ بقیہ تمام دن بے ہوشی میں گذر گیا۔ شام کے وقت حضرت ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو بولے : حضرت محمد ﷺ کہاں ہیں؟ خدا کے رسول ﷺ کہاں ہیں؟ میرے محبوب کہاں ہیں؟ لوگوں نے توجہ پھیرنے کے لیے بہت کوشش کی۔ اور دوسری باتوں میں لگانے کے واسطے بہت زور مارا، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ برابر کہتے جاتے تھے۔ خدا کے رسول ﷺ کہاں ہیں؟

آخر آپؓ کی والدہ نے کہا کہ مجھے تیرے دوست کا کوئی علم نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے کہا کہ اُمِ جمیل کے پاس جا کر خدا کے رسول ﷺ کا پتہ لے۔ وہ اُمِ جمیل کے پاس گئیں اور حضور ﷺ کا پتہ دریافت کیا تو اس نے جواب

دیا کہ میں نہ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانتی ہوں اور نہ ہی محمد ﷺ کو پہچانتی ہوں۔ پھر وہ اُمِ جمیل کہنے لگی کہ اگر تو چاہتی ہے تو میں تیرے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا کہ ضرور آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ چنانچہ اُمِ جمیل ان کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایسی حالت میں پایا تو بے اختیار چیخ اٹھیں اور کہا کہ جن لوگوں نے تیرے ساتھ ایسا برا سلوک کیا ہے وہ سخت نافرمان ہیں اور مجھے امیدِ قوی ہے کہ خدا تعالیٰ ان نافرمانوں سے بدلہ لے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُمِ جمیل سے رسول اللہ ﷺ کا حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ آپؐ کی والدہ صاحبہ موجود ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ میری والدہ کا کوئی فکر نہ کرو۔ مُراد یہ تھی کہ راز کو فاش نہیں کرے گی۔ اُمِ جمیل نے کہا کہ حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بخیرو عافیت دارِ ارقم میں موجود ہیں۔

اس موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے والدین سے عرض کیا کہ میں جب تک حضورِ اکرم ﷺ سے ملاقات نہیں کر لیتا کھانے کو ہاتھ نہ لگاؤں گا اور پانی کو مُنھ نہ لگاؤں گا۔ آپؓ کی والدہ شریفہ کہتی ہیں کہ پھر ہم نے مُہلت دی۔ یہاں تک کہ گلیوں، بازاروں میں لوگوں کی آمد ورفت بند ہو گئی اور ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے چلے۔ راستے میں ابوبکرؓ مجھ پر ٹیک لگا کر چلتا تھا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ قریشِ مکہ کی زدوکوب کا اندازہ یہاں سے بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پاؤں میں اتنی طاقت نہ رہی تھی جو دوسرے پر تکیہ کی حاجت نہ ہو۔

خیر بہر حال ارقم کے گھر پہنچے تو حضور نبیِ کریم ﷺ کے قلب مبارک پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس حالت کا گہرا اثر ہوا۔ آپؐ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گلے لگا لیا اور پیشانی کو چوما اور آپ ﷺ کی آنکھوں نے ازراہِ قدر دانی ابوبکر رضی اللہ عنہ پر وہ موتی نچھاور کیے جو دل کی گہرائیوں سے برآمد ہوئے تھے۔ اور ظاہر بین لوگوں کی نگاہوں میں آنسوں کہلاتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض گذاری: اے خدا کے رسولؐ! میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں، مجھے اور تو کوئی تکلیف باقی نہیں رہی آپؐ کے دیدار سے ہی سب تکلیفیں دور ہو گئی ہیں۔ مگر افسوس کہ قریش

نے میرا چہرا زخمی کردیا ہے۔ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ان چہرے کے زخموں کو اچھا کردیں۔ نیز میری والدہ مجھ پر بڑی مہربان ہے۔ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اسے ہدایت دے اور دوزخ کی آگ سے بچالے اسی وقت آنحضور ﷺ نے دعا کی اور آپؓ کی والدہ فی الفور مشرف باسلام ہوگئی۔

ابوبکر صدیقؓ اور شعبِ ابی طالب

۷ھ نبوی میں قریشِ مکہ نے اس قطع تعلقی اور بائیکاٹ کا اعلان کیا جو دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہوسکتا ہے۔ سلام کلام، لین دین، رشتہ ناطہ سب موقوف کردیے گئے اور آں حضور ﷺ کو بمعہ بنوہاشم کے "شعبِ ابی طالب" میں محصور ہونا پڑا۔ اس نازک وقت میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ شعبِ ابی طالب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بنوہاشم کے ہمراہ محصور رہنا ایک ایسا واقعہ ہے جس پر حضرت ابوطالب خود گواہ ہیں۔ جس وقت حضرت ابوطالب محاصرہ سے نکلے ہیں اور ابوبکر صدیق بھی "شعبِ ابی طالب" سے نکلے ہیں تو حضرت ابوطالب نے ایک طویل قصیدہ سپردِ قلم فرمایا ہے۔ جس کا آخری شعر یہ ہے۔ دیکھو ناسخ التواریخ جلد دوم از کتاب اول صفحہ ۶۲۲ :

هُمُ رَجَعُوْا سَهْلَ بْنَ بَيْضَاءَ رَاضِيًا
وَ سَرَّ اَبُوْ بَكْرٍ بِهَا وَ مُحَمَّدُ

ترجمہ "قریشیوں نے بیضا کے بیٹے سہل کو خوش کرکے واپس کیا اور ابوبکرؓ اور محمد ﷺ دونوں اس پر خوش ہوگئے"۔

نوٹ تاریخ اور سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ سہل بن بیضا قریش کے صحیفہ کو پھاڑنا چاہتا تھا۔ اور اس کو ضائع کرکے بنوہاشم کو واپس مکہ شہر میں بسانے کا پروگرام رکھتا تھا۔ جب اس ظالم صحیفہ کے پھاڑ ڈالنے پر پانچ سردار مکہ متفق ہوگئے اور اس کو ریزہ ریزہ کردیا گیا۔ تو سہل بن بیضا اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اس کو حضرت ابوطالب نے اپنے اس شعر میں واضح کیا کہ سہل بن بیضا کامیابی کی وجہ سے خوش ہوگیا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور محمد ﷺ تمام بنوہاشم کے محاصرہ سے نجات پانے کی وجہ سے خوش ہوگئے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت محمد ﷺ "شعبِ ابی طالب" میں محصور تھے ٹھیک اسی طرح حضرت

Scanned with CamScanner

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس میں قید تھے اور قید و بند کی صعوبت برداشت کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ اگرچہ محاصرہ سے نجات پانے کے بعد کچھ قریشی بزرگ آپ کو تکلیف دینے سے باز آگئے تھے مگر پھر بھی اکثریت ظالموں کی ہی تھی اور مسلمانوں کو برابر تنگ کیا جاتا تھا۔

معراج اور ابوبکر صدیقؓ

۱۲ھ نبوت رجب کی ۲۷ ویں رات کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خداوند تبارک و تعالیٰ نے تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور آپ نے بہشت و دوزخ کا بھی معائنہ فرمایا۔ صبح کے وقت جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا یہ عجیب و غریب سفر بیان فرمایا تو کفار نے ہنسی مخول میں دھر لیا۔ اور خوب مذاق بنایا۔ جس کے اثر سے بعض مسلمان بھی محفوظ نہ رہ سکے اور مرتد ہو گئے۔ مگر کیا شان ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ بن ابی قحافہ کا کہ سنتے ہی ایسی تصدیق کی کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے صدیق کا لقب پایا۔ دیکھو عنوان النجابۃ صفحہ ۱۷ اس موقعہ پر ابومحجن ثقفی رضی اللہ عنہ کے دو شعر قابلِ دید ہیں:

وَسُمِّيْتَ صِدِّيْقًا وَ كُلُّ مُهَاجِرٍ سِوَاكَ يُسَمّٰى بِاِسْمِهٖ غَيْرَ مُنْكِرٍ

سَبَقْتَ اِلَى الْاِسْلَامِ وَ اللّٰهُ شَاهِدٌ وَ كُنْتَ جَلِيْسًا بِالْعَرِيْشِ الْمُشَهَّرِ

ترجمہ "اور تمہارا نام صدیق رکھا گیا اور تمہارے سوا جس قدر مہاجر ہیں اپنے اپنے نام سے بلائے جاتے ہیں اس بات کا کوئی منکر نہیں اور تو ہی ہے کہ دوڑ کر اسلام کی طرف آیا۔ اور اس پر خدا گواہ ہے اور تو ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عریشِ بدر میں ہمنشیں تھا"۔

ابوبکر صدیقؓ اور ہجرت

۱۳ نبوت کا ہلال ربیع الاول آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات دیکھا جس رات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہو چکا تھا۔ ہجرت وطن کے چھوڑ دینے کو کہتے ہیں۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے وطن کے ترک کر دینے کا حکم اس وقت دیا جبکہ قریش مکہ بالاتفاق تمام پیغمبرِ خدا خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کر دینے پر مستعد ہو گئے۔ دارالندوہ یعنی مجلس مشاورت میں فیصلہ ہوا کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک آدمی منتخب کر لیا جائے۔ اور یہ سب منتخب شدہ اشخاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یکبارگی حملہ کر کے قتل کر دیں، تاکہ اس خون کا بوجھ تمام قبائلِ عرب پر پڑ جائے۔

Scanned with CamScanner

اور بنو ہاشم اس خون کا بدلہ لینے سے عاجز رہ جائیں۔ اس فیصلہ کے بعد فوراً انتخاب عمل میں آیا اور حسب قرارداد حضور ﷺ کے مکان کا محاصرہ کرلیا گیا۔ عرب لوگ زنانہ مکان میں داخل ہونا معیوب جانتے تھے۔ اس لیے باہر ٹھہرے رہے تا کہ آپ ﷺ اپنے مکان سے نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ جب کسی کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اپنی قدرتِ کاملہ کے عجیب وغریب نمونے دکھاتے ہیں۔ حضورِ پُر نور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ تم میری جگہ پر سو جاؤ اور صبح اہلِ مکہ کی امانتیں ان کے حوالہ کرکے میرے پاس یثرب میں پہنچ جائیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آپکے بستر پر آرام کے ساتھ سو گئے اور آن حضور ﷺ اپنے گھر سے نکلنے کے وقت ابو جہل، ابولہب، حکم بن عاص، عُقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود دروازے پر آپکے قتل کرنے کے لیے موجود تھے۔ آن حضور ﷺ نے سورۂ یٰس کی تلاوت شروع کردی۔ جب آپ "فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ" پر پہنچے تو خدا تعالیٰ نے ان سب کی آنکھوں سے حضور ﷺ کو دیکھنے کی طاقت سلب کرلی۔ جاگتے رہے اور سب کچھ دیکھتے رہے مگر آن حضور ﷺ کو دیکھ نہ سکے۔ بفضلہٖ تعالیٰ آن حضور ﷺ سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر سے آپ بمعہ ثانی اثنین کے نکلے تو راستے میں سامنے سے ابو جہل دکھائی دیا۔ خدا تعالیٰ نے ابو جہل کی آنکھوں پر قبضہ کرلیا کہ نہ اس کو ابوبکر صدیقؓ نظر آئے اور نہ ہی حضور نبی اکرم ﷺ دیکھنے میں آئے۔

سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ ۳۶ پر ہے: اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ خَرَجْتُ مِنَ الْخَوْخَةِ مُتَنَكِّرًا فَكَانَ اَوَّلَ مَنْ لَقِيَنِيْ اَبُوْجَهْلٍ فَاَعْمَى اللّٰهُ بَصَرَهٗ عَنِّيْ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى مَضَيْنَا۔ "حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے غیر معروف دریچہ سے نکلا تو سب سے پہلے جو شخص میرے سامنے آیا وہ ابو جہل تھا پس خدا تعالیٰ نے اس کی نگاہ کو مجھ سے اور ابوبکر سے روک دیا۔ اور ہم دونوں چلتے رہے"۔

رات کا وقت تھا، پتھریلی زمینوں سے گذرنا تھا۔ دونوں مسافر پاؤں میں پاپوش نہیں رکھتے تھے، بلکہ پابرہنہ سفر کررہے تھے۔ اور زمین پر پاؤں پورے کا پورا نہیں رکھتے تھے۔

Scanned with CamScanner

بلکہ ایڑیاں زمین سے دور رکھتے تھے۔ صرف پاؤں کی انگلیوں کے بل چل رہے تھے تا کہ کھوج لگانے والوں کو پتہ نہ چل جائے۔ اس صورت میں پائے مبارک زخمی ہو جانا قرینِ قیاس تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کو کندھے پر اٹھالیا اور خوب زور سے دوڑ کر اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ جیسا کہ: سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ ۳۶ پر ہے: فَمَشٰی ﷺ لَیْلَتَہٗ عَلٰی اَطْرَافِ اَصَابِعِہٖ لِئَلَّا یَظْھَرَ اَثَرُ رِجْلَیْہِ عَلَی الْاَرْضِ حَتّٰی حَفِیَتْ رِجْلَاہُ فَلَمَّا رَاٰھُمَا اَبُوْبَکْرٍ قَدْ حَفِیَتَا حَمَلَہٗ عَلٰی کَاھِلِہٖ وَجَعَلَ یَشْتَدُّ بِہٖ حَتّٰی اَتٰی فَمَ الْغَارِ فَاَنْزَلَہٗ۔ "پس حضورِ پُر نور ﷺ اس رات پاؤں کی انگلیوں کے بل چلتے رہے تا کہ زمین پر پاؤں کے نقوش ظاہر نہ ہوں یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو اپنے کندھے پر سوار کر لیا اور حضور ﷺ کو اٹھا کر دوڑنے لگا یہاں تک کہ آپ کو اس غار کے دروازے پر جا اتارا"۔

نوٹ جس پہاڑی کی چوٹی پر یہ مقدس غار ہے اس کی شکل بیل سے ملتی جلتی ہے اس واسطے اس کو ثور کے نام سے پکارتے ہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں بیل کو ثور کہا جاتا ہے۔ یہ غار مکہ شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔ پہاڑی پر چڑھنا بجائے خود ایک سخت مشکل کام ہے۔ مگر وزن اٹھا کر چڑھنا تو ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو بوجھ اٹھایا اور اٹھا کر پہاڑی پر چڑھے ہیں اس کی نظیر صفحاتِ تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے خدا تعالیٰ سے دریافت کیا تھا کہ اس سفر میں کس کو ساتھ رکھوں تو جواب آیا تھا کہ ابوبکرؓ کو ساتھ رکھو۔

خداوند کریم جانتے تھے کہ ایسے مشکل اوقات میں جس اخلاص کی ضرورت ہے وہ صرف اس تیمی جوان میں ہے اس لیے رفیقِ ہجرت آپ کو منتخب کیا۔ میرے نزدیک تو یہی انتخاب الٰہی انتخابِ خلافت ہے۔ اور مہاجرین اور انصار نے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور کا خلیفہ انتخاب کیا ہے تو اسی انتخاب کا ثمرہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک ایسا ہی کٹھن سفر درپیش ہوا تھا تو یوشع بن نون کو رفیقِ سفر بنایا تھا۔ جیسا کہ سورۂ کہف میں مذکور ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا۔ اور آپؑ کے بعد وہ ہی رفیق

سفر یوشع بن نون کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ مہاجرین اور انصار کسی دوسرے بزرگ کو خلیفہ منتخب کرتے؟ یہی وجہ ہے کہ مہاجرین اور انصار میں سے اکثر حضرات نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرتے وقت آیتِ غار کی تلاوت کی ہے۔ جیسا کہ اسی "ثانی اثنین نمبر" میں تفسیر آیات کے سلسلہ میں آرہا ہے۔

اس غار میں تین دن رات حضورِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلوت گزین رہے ہیں۔ قریشِ مکہ کو جب علی الصباح معلوم ہوا کہ جس کی ہمیں طلب ہے وہ تو ہاتھ سے نکل گیا ہے تو سو اونٹ کے بھاری انعام کا اشتہار دے دیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے لائے گا، اس کو سو اونٹ سرخ انعام دیا جائے گا۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لیے مکہ کی پہاڑیوں میں بڑے بڑے بہادر پہلوان چکر کاٹنے لگے یہاں تک کہ ایک جماعت تلاش کرتے کرتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئی جس میں یہ دونوں غریب الوطن روپوش تھے۔ مگر جس خدا نے مکہ شہر میں کفار کی آنکھوں سے ان دونوں بزرگوں کے دیکھنے کی قوت سلب کر لی تھی وہ مکہ سے تین میل دور پہاڑی پر ان کی آنکھوں کو شرفِ دیدارِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور رفیقِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کب مشرف کرتا تھا۔ کسی شاعر نے سچ کہا۔ ؎ :

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک لطیفہ: اصل بات دل کی ہے جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اس رفیق کو دل کی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتے تھے یعنی دل سے ان کو برا جانتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی ظاہری آنکھوں کو بھی محروم کر دیا۔ جب حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے ہیں تو کفار کے پاس سے گزرے ہیں مگر وہ دیکھ نہ سکے اسی طرح جب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے دریچے سے نکلے ہیں تو ابوجہل کے پاس سے گزرے ہیں۔ مگر اس دشمنِ خدا کو دونوں میں سے ایک بھی نظر نہ آیا۔ اور اب غار کے اوپر پھر رہے ہیں یہاں تک کہ حضرت ثانی اثنین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہ اپنے پاؤں کے نیچے نظر کریں تو ہمیں دیکھ لیں۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! مَاظَنُّكَ

Scanned with CamScanner

یٰاَثْنَیْنِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا یعنی تیرا کیا خیال ہے ان دو کے بارے جن کا تیسرا خدا ہے۔ مطلب حضور ﷺ کا یہ تھا کہ خداتعالیٰ نے ان کی آنکھوں سے ہمیں دیکھنے کی طاقت سلب کر لی ہے۔ یہ لوگ ہمیں ہرگز نہ دیکھ سکیں گے۔

وہاں ایک درخت اور مکڑی کے جالے کو دیکھ کر سب کے سب کہنے لگے کہ یہ درخت اور مکڑی کا جالا تو محمد کے پیدا ہونے سے بھی پہلے کا ہے چلو کہیں اور سے تلاش کرو۔ کتب سیرت بتلاتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیٹا دن کو پھرتا پھراتا بکریاں چراتا ادھر آجاتا تھا اور ان دونوں خلوت نشینوں کو بکریوں کا دودھ پلا جاتا تھا۔ اور رات کے اندھیرے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسمانامی گھر سے روانہ ہوتی اور کھانا کھلا کر واپس چلی جاتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سفر میں حضور ﷺ کی خدمت جس قدر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس کے گھرانے سے صادر ہوئی ہے اور کسی فردِ بشر سے نہیں ہوئی۔ اسی لیے حضور ﷺ فرماتے تھے کہ جس کسی نے مجھ پر احسان کیا ہے میں نے دنیا ہی میں اس کا بدلہ دے دیا ہے۔ مگر ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسا شخص ہے کہ اس کے احسانوں کا بدلہ مجھ سے نہیں ہوسکا۔ خداتعالیٰ ہی قیامت کے دن بدلہ دے گا۔ جبکہ فردوسِ بریں میں اس کو جگہ عطا کرے گا۔ تین دن رات اس غارِ ثور میں گذار کر حضور نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سراقہ بن مالک کا قصہ

سراقہ بن مالک کا بیان ہے جس کو صاحبِ سیرت حلبیہ نے جلد دوم صفحہ ۴۵ پر لکھا ہے کہ قریش مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد ﷺ کو یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے یا قتل کر کے ہمارے پاس لائے گا اس کو ایک سو اونٹ کا انعام دیا جائے گا۔ اور جو شخص دونوں کو گرفتار کر کے یا قتل کر کے لائے گا اس کو دو سو اونٹ انعام ملیگا۔ اس قدر بھاری انعام نے سراقہ بن مالک کو اپنی جگہ پر بیٹھنے نہ دیا اور گھوڑے پر زین ڈالی اور نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے مکہ معظمہ پہنچا اور انعام کی تصدیق کے بعد یثرب کی طرف گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ اور اتفاقاً محمد ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچ گیا۔ غار سے روانگی کے بعد آپ کے پاس دو اونٹ تھے۔ ایک اونٹ پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سوار تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپکے ردیف تھے اور

دوسرے اونٹ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ اور راہ بتلانے والا شخص سوار تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے۔ اِدھر اُدھر، آگے پیچھے، مڑ کر نہ دیکھتے تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر طرف نگاہ رکھتے تھے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے مڑ کر دیکھا سراقہ بن مالک گھوڑے پر سوار ہے، اور قریب پہنچ گیا ہے۔ سراقہ نے بھی اس قافلہ کو پہچان لیا۔ اور دو سو اونٹ کے دستیاب ہونے کی امیدیں مضبوط ہوگئیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی: یارسول اللہؐ! دشمن آپہنچا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ مراد یہ تھی کہ جس طرح غار کے دہانے پر دشمن پہنچ گئے تھے اور خدا تعالیٰ نے امداد فرمائی تھی اسی طرح یہاں بھی خدا تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ غم نہ کر ہمارا امن فوت نہیں ہوا۔

بس آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ فقرہ نکلا ہی تھا کہ سراقہ بن مالک کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ نے بہت زور مارا مگر گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکل نہ سکے۔ آخر سمجھ گیا کہ میں جس کے آزار کے درپے ہوں۔ اسی کی دعا کا یہ اثر ہے، اور بیشک خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ عرض کی کہ بے شک آپ خدا کے رسُول ہیں دعا کریں کہ خدا تعالیٰ میرے گھوڑے کو چھوڑ دیں۔ میں آپؐ کا کوئی نقصان نہ کروں گا۔ بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی کہتا جاؤں گا کہ تمھارا مطلوب ادھر نہیں ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے دربار میں عرض کی اور اس کے گھوڑے کو خدا کی زمین نے چھوڑ دیا، جب سراقہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور خداوندی حمایت کا یقین ہوگیا۔ گو اس وقت وہ اسلام میں ظاہراً داخل نہ ہوا۔ لیکن اسلام اس کے قلب کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں عرض گزار ہوا کہ جس وقت خدا تعالیٰ آپؐ کو تمام عرب پر حکومت دیویں۔ مجھے اس وقت امان ملنی چاہیے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار کیا۔ سراقہ نے اسی وقت امان نامہ لکھنے کو کہا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن فہیرہ سے لکھ دینے کا ارشاد کیا۔ جب عامر بن فہیرہ لکھنے لگا تو سراقہ نے کہا کہ ازراہِ کرم ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لکھوا دیجیے۔ آپ نے ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا کہ تم لکھ دو۔ حسب الارشاد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امان نامہ لکھ دیا۔ اور سراقہ بن مالک اگرچہ دو سو

Scanned with CamScanner

اونٹ حاصل نہ کر سکا۔ مگر جو چیز اس نے حاصل کی اس پر ہزاروں کیا، لاکھوں اونٹ قربان کیے جاسکتے ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی جنگ سے فارغ ہوئے تو سراقہ آپ کی ملاقات کے لیے موضعِ جعرانہ میں حاضر ہوا۔ جو لوگ حقیقتِ حال سے واقف نہ تھے۔ وہ سراقہ بن مالک کو ڈانٹتے تھے۔ اور خدا کے رسُول کے نزدیک جانے نہ دیتے تھے۔ سراقہ کہتا ہے کہ مَیں کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نزدیک ہو گیا۔ اور اپنے داہنے ہاتھ میں وہ امان نامہ لے کر بلند کیا۔ اور بلند آواز سے گزارش کی کہ خدا کے رسُولؐ! یہ وہ امان نامہ ہے جو آپ نے لکھوا دیا تھا اور مَیں سراقہ بن مالک ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا سے جواب دیا اور فرمایا کہ آج کا دن وفا کا دن ہے۔ اور آج کا دن بشارت کا دن ہے۔ میرے نزدیک آجا۔ مَیں نزدیک ہوگیا اور اسلام قبول کیا۔ کسی شاعر نے اسی قسم کے مواقع کے لیے کہا ہے اور سچ کہا ہے۔ ؎

خود بخود آں مہ دلدار بہ برمے آید
نہ بزور و نہ بزاری نہ بزر مے آید

ایک نکتہ : سراقہ بن مالک کے اس قصہ میں آیا ہے کہ عامر بن فہیرہ امان نامہ لکھنے لگا تو اس نے بجائے اس کے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لکھوانے سے متعلق گذارش کی۔ اور آپ نے بحکم نبوت امان نامہ لکھدیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ بات سوچنے کے قابل ہے۔ سو میری ناقص رائے میں اس کی وجہ وہ اتحاد ہے جو حضورِ انور اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ میں تھا۔ جس کی وجہ سے سراقہ کا ذہن خلافت کی جانب منتقل ہوگیا۔ نیز گذر چکا ہے کہ تمام عرب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ معزز اور مکرم تھے۔ ہوسکتا ہے کہ سراقہ کی گذارش کی وجہ یہ دوسری چیز ہو۔ بہرحال سراقہ کی یہ کاروائی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت سے خالی نہیں ہے۔

بریدہ بن الحصیب اسلمی کا اسلام قبول کرنا

مدینہ شریف جاتے ہوئے راستے میں بریدہ اسلمی سے ملاقات ہوئی۔ بریدہ نے بھی سُنا تھا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے قریشِ مکہ کے حوالے کرے گا۔

وہ دو سو اونٹ انعام لے گا۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لیے بریدہ اسلمی بمعہ ۸۰ نوجوانوں کے اپنے گھروں سے نکلے۔ خدا کی قدرت ایسی ہوئی کہ بریدہ کی حضور ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔ آں حضور ﷺ نے نام پوچھا۔ ملاقاتی نے کہا کہ میرا نام بریدہ ہے۔ آں حضور ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے خلاف جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ٹھنڈی ہوجائے گی اور ہم کامیاب ہوجائیں گے۔ پھر حضور ﷺ نے پوچھا تُو کس قوم سے ہے؟ جواب میں کہا کہ میں اسلم سے ہوں۔ جو سہم کی اولاد میں سے تھا۔ یہ جواب سُن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ہم کفارِ مکہ کے شر سے بچ گئے ہیں۔ اے ابوبکر تیرا حصّہ نکل آیا ہے۔

اس کے بعد بریدہ نے آپ ﷺ کا نام پوچھا جواب میں ارشاد فرمایا کہ: محمّد ہوں۔ عبداللہ کا بیٹا ہوں عبدالمطّلب کا پوتا ہوں۔ خدا کا رسُول ہوں۔ فوراً بریدہ نے کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ بریدہ کا اسلام لانا تھا کہ اس کے تمام ساتھی کلمۂ اسلام پڑھتے ہوئے اسلام میں داخل ہوگئے۔

نکتہ: جس طرح حضور نبی کریم ﷺ لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کا حرص رکھتے تھے اس دنیا میں اور کوئی مقصد نہ تھا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدّیق بھی اسلام کی ترقی کو اپنا نصب العین جانتے تھے۔ اسی واسطے آں حضور ﷺ نے بریدہ اور اس کے ہمراہیوں کو جو تعداد میں ۸۰ سے کم نہ تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حصہ بتلایا اور فرمایا کہ: خَرَجَ سَھْمُكَ یَا اَبَابَکْرٍ۔ یعنی اے ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ تیرا حصہ ہے جو اپنے گھروں سے نکل کے آیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ لوگ سب کے سب مُسلمان ہوگئے اور آں حضور ﷺ کو مدینہ منورہ میں پہنچا کر اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔

مدینہ منورہ میں داخلہ

۱۲ ربیع الاول ۱۳ نبوت سوموار کے دن علی الصباح آں حضور ﷺ بمعہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قبا سے روانہ ہوکر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جس جگہ پر آپ ﷺ نے نزولِ اجلال فرمایا، وہاں انصارِ مدینہ ملاقات کے لیے حاضر ہونے لگے۔ ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنھوں نے ابھی تک آں حضور ﷺ کو دیکھا ہوا نہ تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدّیق اگرچہ عمر میں آں حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹے تھے مگر داڑھی اور سر میں سُفید بال آگئے تھے۔ بخلافِ حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے کہ آپ کے سر اور داڑھی مبارک میں کوئی ایک بال بھی سُفید نہ آیا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ مہاجرین میں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے تھے جن کے سُفید بال آگئے تھے۔ ان کے علاوہ کسی مہاجر کے سُفید بال نہیں آئے ہوئے تھے۔ پس جن لوگوں نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوا نہ تھا وہ سُفید بالوں کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کرنے کے لیے جھکتے تو آپؓ فوراً ملاقاتی کا ہاتھ پکڑ کر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دیتے مدینہ منورہ میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ مدینہ منورہ کے قدیم باشندوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے آپؐ کی ملاقات کا اشتیاق نہ ہوا ہو۔ اس وجہ سے یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا اور سورج کی شعاعیں حرارت پیدا کرنے لگ گئیں۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہوگئے اور اپنی چادر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر تان کر سایہ بنایا تاکہ آپؐ سورج کی گرمی سے بچ جائیں۔ اور ملاقاتیوں کو جو شبہ ہو رہا تھا وہ بھی دور ہو جائے۔ ہر کوئی سمجھ لے گا کہ جو سایہ کیے ہوئے ہے یہ غلام ہے اور جس کے سر پر سایہ کیے ہوئے ہے وہ آقائے دوجہان ہے۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر

مدینہ منورہ میں جب مسجد کے لیے زمین خرید کر لی گئی اور اس زمین کو صاف کر لیا گیا۔ تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے سنگِ بنیاد رکھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ارشاد فرمایا کہ میری اینٹ کے ساتھ تم ایک اینٹ رکھ دو۔ پھر حضرت عمر بن خطابؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم بھی ایک اینٹ اٹھا کر ابوبکر صدیقؓ کی اینٹ کے ساتھ رکھ دو۔ پھر حضرت عثمان بن عفانؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم بھی ایک اینٹ اٹھا کر عمر بن خطابؓ کی اینٹ کے ساتھ رکھ دو۔ اس کے بعد تمام لوگوں کو اینٹیں لانے کا حکم دیدیا۔ علمائے حدیث نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی کی بنیاد میں جو کاروائی عمل میں آئی تھی۔ خلافت نبوت کی طرف اشارہ تھا بلکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب تینوں بزرگ اینٹیں رکھ چکے تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے بعد میرے جانشین ہوں گے۔ دیکھو سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۔

Scanned with CamScanner

سوال اگر مسجد نبوی کی بنیاد میں یہ کاروائی خلافت کے لیے تھی تو پھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے کیوں اینٹ نہیں رکھوائی؟

جواب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی خلافت تمام اہلِ اسلام میں مُسلّم ہے۔ آپ کی خلافت کا مُسلمانوں میں کوئی مُنکر نہیں ہوا۔ چند خارجی تھے جو تعداد میں قلیل تھے اور حکم میں معدوم کے تھے۔ ان کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا برخلاف اس کے مذکورہ بالا تینوں بزرگوں کی خلافت کا انکار کرنے والے کافی تعداد میں ہیں۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کی طرف اشارہ ضروری سمجھا۔ اور خلیفۂ چہارم کی خلافت کی توضیح کی ضرورت نہ سمجھی۔

عریش بدر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

۱۲؍ رمضان شریف ۲ ھجری کو مدینہ منورہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ تین سو تیرہ غازیوں کے اس کفار کی فوج کی مدافعت کے لیے نکلے جو مکہ معظمہ سے مُسلمانوں کے استیصال اور بیخ کنی کے واسطے روانہ ہوئی تھی۔ "مقام بدر" میں دونوں جماعتوں کا اجتماع ہو گیا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس میدان میں صحابۂ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک چھوٹا سا چھپر بنایا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں خدا کی عبادت کریں اور آرام پائیں۔ اور باقی تمام لشکر میدان میں کفر کا مقابلہ کرے سوال یہ پیدا ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے کوئی آدمی اس چھپر میں رہنا چاہیے۔ اگر دشمن حملہ کرے تو مدافعت کرے۔

اس موقعہ میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا بیان پیش کرتا ہوں۔ دیکھو سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ ۱۶۶: وَ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ لِجَمْعٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ اَشْجَعِ النَّاسِ قَالُوْا اَنْتَ قَالَ اَشْجَعُ النَّاسِ اَبُوْبَکْرٍ لَمَّا کَانَ یَوْمُ بَدْرٍ جَعَلْنَا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ عَرِیْشًا فَقُلْنَا مَنْ یَکُوْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِئَلَّا یَہْوِیْ اِلَیْہِ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ فَوَاللّٰہِ مَادَنَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوْبَکْرٍ شَاہِرًا بِالسَّیْفِ عَلٰی رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَہْوِیْ اِلَیْہِ اَحَدٌ اِلَّا اَہْوٰی اِلَیْہِ "حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے پوچھا تمام مُسلمانوں سے زیادہ بہادر کون ہے؟ جواب آیا کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ بہادر ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا سب سے زیادہ بہادر ابوبکرؓ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدر کے

Scanned with CamScanner

میدان میں ہم نے خدا کے رسولؐ کے لیے ایک چھپر بنایا تھا اور کہا تھا کہ کون ہے جو اس چھپر میں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، تاکہ کوئی مشرک اس چھپر کا قصد نہ کرے۔ پس خدا کی قسم ہم میں سے کوئی شخص اس ڈیوٹی کے لیے تیار نہ ہوا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آپ نے تلوار کھینچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِاقدس پر پہرہ دیا۔ جو مشرک ادھر حملے کا ارادہ کرتا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مدافعت کے لیے کمر بستہ تھے۔

نوٹ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس روایت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "اَشجَعُ النَّاسِ" کا لقب دے دیا ہے۔

امارتِ سریہ

۶ ھ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک فوجی دستے کا امیر بنایا گیا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بنو فزارہ میں ایک عورت تھی جس کا نام تھا امّ قرفہ۔ اس عورت کا خاندان کثیر تعداد نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ ساری قوم اس عورت کو اپنا سردار تسلیم کرتی تھی۔ اس عورت نامی اُمِّ قِرفہ کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتی تھی تو دل کھول کر گالیاں دیتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! خبر آئی ہے کہ امّ قرفہ اپنی قوم کو لڑائی کے لیے تیار کر رہی ہے اور مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وادی القریٰ میں جا کر بنو فزارہ کی سرکوبی کریں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقریباً ایک سو آدمی ہمراہ لے کر بنو فزارہ پر جا پہنچے۔ بنو فزارہ کے لوگ لشکرِ اسلام دیکھ کر مقابلہ کی طاقت نہ لا کر بھاگ نکلے۔ امّ قرفہ کو قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی بیٹی کو قید کر کے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ یہ واقعہ رمضان شریف میں پیش آیا۔

بیعتِ رضوان

اسی ۶ ھ ہجری میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے تشریف لے گئے قریشِ مکہ نے خانہ کعبہ کی زیارت سے روک دیا آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے سمجھانے کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو ایک مکان میں بند کر دیا۔ لوگوں میں مشہور

Scanned with CamScanner

ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیے گئے اور کوئی کہتا تھا کہ محبوس ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور ارشاد فرمایا کہ سب کے سب از سرِ نو میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لیں گے۔ اگرچہ اس میں موت بھی آجائے۔ اور اگر وہ زندہ ہے تو چھڑا کے لائیں گے۔۔۔۔۔۔۔اگرچہ موت کا سامنا کرنا پڑے اس وقت آپ کے ہمراہ پندرہ سو جاں نثاروں کی بے نظیر جماعت تھی۔ سب نے بیعت کی خداوند تبارک و تعالیٰ نے آسمانوں سے اپنی رضامندی کا اعلان کیا اور قرآن میں فرمایا کہ جنھوں نے اس درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے یقیناً خدا تعالیٰ ان سے راضی ہے رضامندی خداوندِ کریم کا تمغہ پانیوالوں میں حضرت ابوبکر صدّیقؓ کا نام سرِ فہرست ہے۔

امارتِ حج

۹ ہجری کے حج مبارک کے لیے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو امیر الحج مقرر فرمایا۔ تین سو آدمی ہمراہ لے کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے۔ بحکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے۔ سورۂ براءت کی تبلیغ بھی ضروری تھی۔ نیز جن جن قبائل سے معاہدے تھے ان میں سے اکثر کے معاہدے ختم ہو چکے تھے۔ اس چیز کی بھی اطلاع دینا ضروری تھی۔ جب حضرت ابوبکر صدّیقؓ دو تین منزلیں نکل چکے تو جبرائیل امین آئے اور حکم دیا کہ معاہدہ ختم کرنے کے لیے اپنا قریبی رشتہ دار روانہ کرو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو پیچھے سے روانہ کر دیا۔ جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے کیفیت دریافت کی۔ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ آپ امیر ہوں گے۔ اور میں ماتحت رہوں گا۔ چنانچہ ۹ ہجری کا حج حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی ماتحتی میں کیا گیا۔ اور سورت براءت کی تبلیغ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمائی۔ اصل بات یہ ہے کہ معاہدہ کرنا یا اسے ختم کرنا ایک ایسی چیز تھی جس کو بادشاہ انجام دیتا تھا یا اس کے نہایت قریبی رشتہ دار انجام دیتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی طرف التفات نہ فرمائی تھی۔ خدا تعالیٰ نے جبرائیل کو بھیج دیا کہ معاہدوں کے ختم کرنے کے لیے کوئی اپنا اقرب رشتہ دار روانہ کرو۔ اس لیے حضرت علیؓ کی روانگی عمل میں آئی۔ اگر حضرت ابوبکرؓ میں اہلیت نہ ہوتی تو امیر حج ہی کاہے کو بنائے جاتے؟

Scanned with CamScanner

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ قَاعِدًا فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ۔ "حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں جس میں وفات ہوئی ابوبکر کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی"۔

نوٹ البدایہ والنہایہ کے صفحۂ مذکورہ پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت موجود ہے۔ اور صاحبِ سیرت حلبیہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ دیکھو سیرت مذکورہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۷:

ثَبَتَ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی خَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ مُقْتَدِیًا بِہٖ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا یُنْکِرُ ھٰذَا اِلَّا جَاھِلٌ لَا عِلْمَ لَہٗ بِالرِّوَایَۃِ "یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضِ وفات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے اقتدار کر کے تین دفعہ نماز پڑھی ہے۔ اور اس بات کا انکار وہی شخص کرے گا جو علمِ روایت سے جاہل ہو"۔

ناظرین کرام الفاروق کی خدمت میں گذارش ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا امامتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے اس قدر اہتمام حکمت سے خالی نہیں۔ اس امامت کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس کے ساتھ ساتھ قلم و دوات کے ارشاد نبوت کو بھی سامنے رکھ لیا جائے اہلِ علم حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے کہ قلم دوات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمائی جب ایک خادم نے گذارش کی کہ خدا کی کتاب کافی ہے۔ تو دوسری دفعہ مطالبہ نہیں فرمایا۔ بلکہ تین دن تک زندہ رہے اور دوبارہ تذکرہ بھی نہ کیا اور امامت کے معاملہ میں تاکیدات پر تاکیدات ہو رہی ہیں۔ اتفاقاً مرض وفات ہی کے ایام میں کسی ایک نماز کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ موجود نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کہہ دیا کہ تم نماز پڑھا دو اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تکبیرِ تحریمہ کے بعد قرارت شروع کی تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سنتے ہی فرمایا۔ نہیں نہیں نہیں۔ ابوقحافہ کے بیٹے کے علاوہ کوئی امامت نہ کرائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی وقت نماز توڑ دی۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا کر نبوی مصلی پر کھڑا کیا۔ دیکھو سیرتِ حلبیہ جلد سوم صفحہ ۳۸۷:

وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِہٖ ذٰلِکَ یَوْمًا لِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَمْعَۃَ بْنِ الْاَسْوَدِ مِنَ النَّاسِ فَلْیُصَلُّوْا

Scanned with CamScanner

اَیْ صَلَاۃَ الصُّبْحِ وَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ رضی اللہ عنہ غَائِبًا فَقَدَّمَ عَبْدُ اللّٰہِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فَلَمَّا سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ صَوْتَہٗ اَخْرَجَ رَاْسَہُ الشَّرِیْفَ حَتّٰی اِطَّلَعَہُ لِلنَّاسِ مِنْ حُجْرَتِہٖ ثُمَّ قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم : لَا لَا لَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لِیُصَلِّ بِھِمْ ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ فَانْتَقَضَتِ الصُّفُوْفُ وَانْصَرَفَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ اَیْ مِنَ الصَّلٰوۃِ فَمَا بَرِحَ الْقَوْمُ حَتّٰی طَلَعَ ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ فَتَقَدَّمَ وَصَلّٰی بِالنَّاسِ الصُّبْحَ۔ ”ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اسی بیماری میں عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ نماز صبح پڑھ لیں۔ اور چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا۔ کہ تم لوگوں کو نماز پڑھا دو پس جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو حجرہ شریفہ سے اپنا سر مبارک نکالا۔ اور تین دفعہ فرمایا: ”نہیں نہیں نہیں! نماز ابوقحافہ کے بیٹے کے سوا کوئی نہ پڑھائے“۔ پس صفیں ٹوٹ گئیں۔ اور عمر رضی اللہ عنہ اس نماز سے ہٹ گئے۔ پھر لوگ وہاں ہی ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ ابوقحافہ کا بیٹا آیا اور نبوی مصلی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی“۔

ناظرین کرام اوراق الفاروق (ثانی اثنین نمبر) مرض الوفات کی امامت صدیق رضی اللہ عنہ کو معمولی اور سرسری نگاہوں سے ہرگز نہ دیکھیں۔ اس میں سینکڑوں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ہزاروں سربستہ راز ہیں۔ جنھیں ابھی تک کسی اہلِ علم نے چھوا تک نہیں۔ تمامی اہلِ اسلام کا جب متفقہ مسئلہ ہے کہ امامتِ نماز کے لیے سب سے اعلم کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ اعلم الناس تسلیم کر لیا جائے۔

اسی طرح یہ بھی مسلّم ہے کہ قرآنِ حکیم جس کو سب سے زیادہ محفوظ ہو اس کو امام بنانا چاہیے۔ تو پھر کیوں نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآنِ حکیم کا سب سے بڑا حافظ تسلیم کیا جائے! نیز مانی ہوئی بات ہے کہ امامت کے لیے موزوں وہ شخص ہوتا ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو تو بنابریں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ ”اَوْرَعَ النَّاسِ“ تسلیم کیا جائے؟ اور جس کی اقتداء تمام پیغمبروں نے کی۔ بلکہ ہزاروں سال جس کی اقتداء کی تمنا پیغمبرانِ خدا کے قلوب میں موجزن رہی وہ جس کی اقتداء کرے اس کے شان کے کیا کہنے؟ پوچھا جاتا ہے کہ افضلیت

کے عقیدے کے دلائل کیا ہیں؟ اگر کوئی صاحبِ بصیرت اور اطلاع اسی امامت میں غور کرے تو اطمینانِ قلب کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔

تیسرا حصہ : حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ۱۲ر ربیع الاول ۱۱ ہجری سوموار کے دن پہلے پہر فوت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ۱۲ر و ۱۳ر ربیع الاول دو دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوتی رہی۔ ۱۴ر ربیع الاول بدھ کی رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سپردِ خاک کیے گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو امیر مقرر کرنے کی ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور اطاعتِ امیر کے لیے آپؐ کے ارشادات بے شمار ہیں۔ کتبِ حدیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی بغیر امیر کے کوئی زندگی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے دو مسلمانوں کو بھی سفر میں امیر مقرر کرنے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ دو میں سے ایک کو امیر مقرر کرنا ضروری ہے۔ جن لوگوں کو آپؐ نے زندگی بھر امیر مقرر کرنے کی اس قدر تاکید کی تھی وہ آپؐ کے انتقال کے وقت اس فریضہ سے کب غافل ہو سکتے تھے؟ بالخصوص جب اس بات کو بھی ذہن میں رکھ لیا جائے کہ عرب کے بدوی قبائل اور ان کے سردار ابھی تک پورے پورے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسلام کی تعلیم ابھی تک ان کے رگ و ریشہ میں پیوست نہیں ہوئی تھی۔ اور پرانی جاہلیت کی آزادی کی لذت ابھی تک ان کے دماغوں میں باقی تھی۔ اس لیے خطرہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر کے منتشر ہوتے ہی کہیں بغاوت نہ ہو جائے۔ جس پر قبضہ پانا نظم و نسق کے بغیر ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور نظم و نسق بغیر قوتِ حاکمہ کے دشوار بلکہ محال ہوتا ہے۔ پس اس میں تاخیر کی گنجائش نہ تھی۔ اور دفنِ پیغمبر میں دیر کرنے سے کوئی دینی یا دنیاوی نقصان رونما ہونے والا نہیں تھا۔ تدفین میں جو عجلت کی روایات آئی ہیں ان کی وجہ باتفاق علمائے کرام، لاش میں تغیر و تبدل ہے۔ اور چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک اس خطرہ سے محفوظ تھی، اس لیے تدفین میں عجلت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سیاسیات میں جہاں پہنچتے ہیں وہاں تک رسائی آدم کے تمام فرزندوں کا کام نہیں ہے آپؓ جو اعلان کر رہے تھے کہ حضور فوت نہیں ہوئے۔ اور جو کوئی ایسی بات کہے گا میں اس کا سر قلم کروں گا۔ اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ

قبائلِ عرب کے سرداروں کو حضور ﷺ کی وفات کا امیر کے انتخاب سے پہلے علم نہیں ہ
چاہیے۔ اسی لیے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ انتخابِ خلیفہ کے بعد فرمارہے تھے کہ
نے جو بات کل کہی تھی وہ نہ تو قرآن میں تھی اور نہ ہی وہ بات مجھ سے خدا کے رسول ﷺ
نے فرمائی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ وہ ایک سیاسی بات تھی جیسا کہ راقم الحروف بیان کر
ہے۔ وفاتِ نبوی ﷺ کے ساتھ ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماعِ صحابہؓ ہوا۔ بعض انصار نے کہا
خلیفہ انصار میں سے ہونا چاہیے۔ اور بعض مہاجرین نے کہا کہ خلیفہ مہاجرین میں سے ہ
چاہیے۔ اور کسی نے کہا کہ دو امیر ہوں گے۔ ایک مہاجرین میں سے اور دوسرا انصار میں سے

ابھی پختہ اور فیصلہ کی بات نہیں ہوئی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ا
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عُبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صد
رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث پیش کی۔ جس کا مضمون تھا کہ میرے بعد میرے خلیفے قریش میں
سے ہوں گے۔ بس اس حدیث کا مجمع میں پیش ہونا تھا کہ سب اختلاف ختم ہو گئے۔ ا
حدیث کے انکار میں کسی کے منہ سے ایک حرف بھی نہ نکلا۔ جب یہ حدیث تسلیم کر لی گئی۔ تو آپ
ہی نے ابوعُبیدہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے نام پیش کیے۔ اور فرمایا کہ ان دونوں میں سے
جس کو چاہو امیر مقرر کر لو مگر حضرت عمر اور ابوعُبیدہ رضی اللہ عنہما دونوں نے متفقہ طور پر کہا کہ جس
کو خدا تعالیٰ نے " ثانی اثنین " کا لقب دیا ہے۔ اور جس کو خدا کے رسول ﷺ نے اپنے
مُصلّے پر کھڑا کیا ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی کیا مجال کہ بیعت لے لے؟ یہ کہ
اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر حضرت عمر اور ابوعُبیدہ رضی اللہ عنہما نے بیعت کر دی۔

بس پھر کیا تھا، تمام مجمع ٹوٹ پڑا اور حاضرینِ مجلس میں سے کوئی بھی بیعت کیے بغیر
نہ رہ گیا۔ صرف ایک سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کی۔ مگر چونکہ وہ بدری نہ تھے
اس لیے اس بات کی پرواہ نہ کی گئی۔ نیز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا رجوع بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ
البدایہ والنہایہ تالیف ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴۷ پر مذکور ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سعد بن عبادہ
سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وَقَدْ عَلِمْتَ يَا سَعْدُ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ وَاَنْتَ قَاعِدٌ
قُرَيْشٌ وُلَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ فَبَرُّ النَّاسِ تَبَعٌ لِبَرِّهِمْ وَفَاجِرُهُمْ تَبَعٌ لِفَاجِرِهِمْ فَقَالَ لَهُ

سَعْدُ صَدَقْتَ نَحْنُ الْوُزَرَآءُ وَاَنْتُمُ الْاُمَرَآءُ" خدا کی قسم اے سعد تو جانتا ہے کہ خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جبکہ تو آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس حکومت کے والی قریش ہوں گے۔ پس اچھے لوگ قریش میں سے نیکوکار کی تابعداری کریں گے۔ اور بدکار لوگ قریش میں سے بدکار کی تابعداری کریں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تُو نے سچ کہا ہم وزیر ہوا کریں گے۔ اور تم لوگ حاکم ہوا کرو گے"۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بڑے سردار آدمی تھے۔ انصار میں ان کی بڑی عزت تھی۔ سخاوت انہیں میراث میں ملی تھی۔ خدا کی قدرت کہ بدر کی جنگ میں شامل نہ ہوسکے تھے۔ آپؓ کا مذکورہ بالا بیان جس سے حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی تصدیق ٹپک رہی ہے۔ قرینِ قیاس ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ وہ سرتاپا غلط ہے۔ اس میں ذرہ بھر صداقت نہیں۔

سوال بخاری شریف میں آیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چھ ماہ بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں بیعت کی تھی۔ اندریں صورت اجماعِ امت کہاں رہ گیا؟

جواب اسی شمارہ میں کسی دوسرے مضمون میں تاریخ ابن جریر طبری کے حوالہ سے لکھا جاچکا ہے کہ حضرت علیؓ نے سوموار ہی کے دن بیعت کرلی تھی۔ جس کے پہلے پہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی۔ اور آج اس مضمون میں حافظ ابن کثیر کی تاریخ نامی البدایہ والنہایہ جلد۶ صفحہ ۳۰۲ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے دن یعنی منگل کے دن صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ وَصَعِدَ اَبُوْبَکْرٍ اَلْمِنْبَرَ وَنَظَرَ فِیْ وُجُوْہِ الْقَوْمِ فَلَمْ یَرَ الزُّبَیْرَ قَالَ فَدَعَا الزُّبَیْرَ فَجَآءَ قَالَ قُلْتُ ابْنُ عَمَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَرَدْتَ اَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ قَالَ لَاتَثْرِیْبَ یَاخَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَقَامَ فَبَایَعَہٗ ثُمَّ نَظَرَ فِیْ وُجُوْہِ الْقَوْمِ فَلَمْ یَرَعَلِیًّا فَدَعَا بِعَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ قَالَ قُلْتُ اِبْنُ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَخَتَنُہٗ عَلٰی اِبْنَتِہٖ اَرَدْتَ اَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ قَالَ لَاتَثْرِیْبَ یَاخَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَبَایَعَہٗ۔

Scanned with CamScanner

پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں منبر پر بیٹھے اور لوگوں کے چہروں پر نگاہ ڈالی تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا۔ پس آپؓ کو بلا بھیجا۔ وہ آ گئے تو فرمایا: "میں کہتا ہوں کہ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ کیا آپؓ کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کے اتفاق کو توڑ ڈالیں"؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ: "اے خدا کے رسولؐ کے خلیفہ! اس طرح نہیں ہوگا"۔ پس اسی وقت کھڑے ہو گئے اور بیعت کر لی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حاضرینِ مسجد میں نظر دوڑائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا۔ پس آپؓ کو بلا بھیجا۔ جب تشریف لائے تو فرمایا: "میں کہتا ہوں کہ آپؓ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی ہیں۔ کیا آپؓ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اتفاق کی لاٹھی ٹوٹ جائے"؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: "اے خلیفۂ رسولِ خدا اس طرح نہیں ہوگا"۔ پس فوراً بیعت کر لی۔

اس روایت نے خوب واضح کر دیا کہ مسجدِ نبوی میں دوسرے دن ہی علی رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے برضا و رغبت بیعت کر لی تھی۔ باقی رہ گئی چھ ماہ والی روایت، تو شارحینِ حدیث نے اس کو تجدیدِ بیعت کے سلسلے میں داخل کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابنِ کثیر شامی البدایہ النہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۰۲ ہی پر لکھتے ہیں: وَاَمَّا مَا یَأْتِیْ مِنْ مُبَایَعَتِهٖ اِیَّاهُ بَعْدَ مَوْتِ فَاطِمَةَ فَذٰلِكَ مَحْمُوْلٌ عَلٰی اَنَّهَا بَیْعَةٌ ثَانِیَةٌ۔ "اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں وفاتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد بیعت کی تھی۔ تو وہ دوسری بیعت تھی"۔

چونکہ چھ ماہ والی حدیث بہت سی روایات کے خلاف ہے اور اربابِ تاریخ بھی اس کے خلاف اتفاق رکھتے ہیں اس لیے بعض محققین نے اس کے ضعف کا قول کیا ہے اگرچہ یہ روایت صحیحین میں ہے۔ دیکھو سیرتِ حلبیہ جلد سوم صفحہ ۴۰۰: وَمِمَّا یُؤَیِّدُ الضُّعْفَ مَا جَاءَ اَنَّ عَلِیًّا وَاَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا جَاءَ الزِّیَارَةَ قَبْرَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ وَفَاتِهٖ بِسِتَّةِ اَیَّامٍ فَقَالَ عَلِیٌّ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ تَقَدَّمْ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ مَا کُنْتُ لِاَتَقَدَّمَ رَجُلًا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ فِیْهِ عَلِیٌّ مِنِّیْ بِمَنْزِلَتِیْ مِنْ رَبِّیْ۔ "اور چھ ماہ والی روایت کی کمزوری کی تائید کرتی ہے۔ یہ بات کہ حضرت علی اور حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہما دونوں نبی کی وفات سے چھ دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لائے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا آگے چلو اے خلیفۂ رسولؐ خدا اس کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لیے مناسب نہیں ہے۔ ایسے مرد کے آگے چلوں جس کے حق میں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں کہ علی کا اور میرا تعلق وہ ہے جو میرا اور میرے رب کا تعلق ہے"۔

خلاصۂ کلام یہ ہے۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَجْمَعَ النَّاسُ عَلٰی خِلَافَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لِاَنَّھُمْ لَمْ یَجِدُوْا تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ خَیْرًا مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ۔ "تمام صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اس لیے اتفاق کر لیا تھا کہ اس آسمان کے نیچے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی آدمی انہیں دستیاب نہ ہوا تھا"۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سیرتِ حلبیہ جلد سوم صفحہ ۳۹۱ پر موجود ہے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور نمازِ جنازۂ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

جب تعیینِ خلیفہ کے فریضہ سے صحابۂ کرام فارغ ہو گئے تو نمازِ جنازہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ تمام مہاجرین اور انصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپؓ اس نماز میں امامت کے فرائض انجام دیں۔ مگر آپؓ نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں امام تھے۔ اب موت کے بعد بھی وہی امام ہیں کسی دوسرے امام کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ حجرۂ شریفہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے طے پایا کہ دس دس آدمی حجرہ میں داخل ہو کر نماز پڑھتے جائیں اور نکلتے جائیں۔ پہلی صف جو اس نماز کے لیے حجرہ شریفہ میں بنائی گئی، اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ اور سب نے چار تکبیروں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازِ جنازہ پڑھی۔ جیسا کہ سیرتِ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۴ پر موجود ہے۔ صاحبِ سیرتِ حلبیہ نے تنہا دعویٰ کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ بلا امام یعنی تنہا تنہا پڑھے جانے پر تمام مؤرخین کا اجماع ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور دفنِ رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

جس وقت تمام مُسلمان کیا مرد کیا عورتیں اور کیا بوڑھے اور کیا جوان اور کیا آزاد اور کیا غلام نمازِ جنازہ سے مشرف ہو چکے تو دفن رسُول کے لیے مشورہ کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کے رسُول علیہ السّلام جہاں فوت ہوتے ہیں وہاں ہی دفن کیے جاتے ہیں۔ میں نے یہ بات خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ پس تمام صحابۂ کرامؓ نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔ اور حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں جہاں آپؐ کی روح قبض کی گئی تھی، قبر کھودنے کا اِنتظام کیا۔ بدھ کی رات ہی کو اس مبارک حجرہ میں قبر کھودی گئی۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے دفن کر دیا گیا۔ ہر ایک قاعدے سے کچھ نہ کچھ مُستثنیات ہوتے ہیں۔ دفنِ انبیاء علیہم السّلام کے مذکورہ بالا قاعدے سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ آپؑ اور بہت سی باتوں میں دوسرے پیغمبروںؑ سے جدا ہیں۔ اسی طرح دفن کے مسئلہ میں بھی جدا ہیں۔ کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی قبر کی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معین ہو چکی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آپؑ کی موت کسی دوسری جگہ پر ہوگی۔ چاہے مدینہ شہر میں ہو اور چاہے مدینہ سے باہر ہو۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور لشکرِ اسامہؓ کی روانگی

شام کے علاقوں میں حضرت اسامہؓ کے والد شریف حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مارے گئے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جذبۂ انتقام سے سرشار تھے اور اپنے والد کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہم کے سر کرنے کے واسطے سات سو مجاہد تیار کیے۔ اور ان کی امارت حضرت اسامہؓ کے سپرد فرمائی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ان سات سو مجاہدین میں شامل تھے۔ پھر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔ تو

Scanned with CamScanner

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے خود ہی مستثنیٰ فرمالیا۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۰۴ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ بیماری کی شدت اور طول کی وجہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ متوقف ہوگئے۔ یہاں تک کہ حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ اس وقت جو مُصیبت صحابۂ کرامؓ پر نازل ہوئی وہ اس کی نظیر سے اس سے پہلے آشنا نہ ہوئے تھے۔ یہ مُصیبت ان کے لیے بے نظیر مُصیبت تھی۔ جس کے لیے وطن چھوڑے، گھربار چھوڑے جائدادیں اور کاروبار ترک کیے۔ عزیز واقارب سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اس کی جدائی کا صدمہ حدِ بیان سے یقیناً باہر ہے۔ اندریں حالات صحابۂ کرامؓ کا انتخاب خلیفہ کے فریضہ سے عہدہ برا ہونا بھی میرے نزدیک کرامت ہے۔ جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح معجزہ ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دستِ حق پرست پر تمام مہاجرین اور انصار بیعت کر چکے تو آپؓ نے سب سے پہلے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا ارادہ کیا۔ اکثر صحابۂ کرامؓ نے خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض گزاری کہ یہ وقت اتنے بڑے لشکر کی روانگی کا وقت نہیں ہے۔ کیونکہ مدینہ کے اردگرد کے دیہاتی سرار باغی ہورہے ہیں۔ اور مدینہ پر حملے کی تیاریاں کررہے ہیں۔ مناسب ہے کہ پہلے نزدیکی خطرات کی حفاظت کا خیال کیا جائے۔ پھر جب امن قائم ہوجائے گا تو بلقائے شام کی جانب لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کر دیا جائے گا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انکار کیا اور فرمایا کہ جس لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلقائے شام کے لیے تیار کیا ہے، میں اس کو ہرگز نہیں روک سکتا۔ اگرچہ اس لشکر کے روانہ ہوجانے کے بعد میری بوٹی بوٹی ہوجائے۔ اور پرندے اور درندے ایک ایک بوٹی کر کے کھاجائیں۔ اگر تمام مُسلمان مجھے چھوڑ جائیں۔ اور میں تنہا رہ جاؤں، تو بھی میں حسبِ فرمودۂ رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کو ادھر ہی روانہ کروں گا جدھر کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لشکرِ اسامہ کی روانگی سے مُتعلق استقامت آنکھ والے کے لیے ایک زندہ کرامت ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ جو کام بھی کرتے حضرت عمرؓ کے مشورے پر کرتے تھے۔ اس واقعہ میں ان کے لیے عبرت کے کافی سامان موجود ہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے روکنے پر بھی آپؓ نہیں رکے۔ اور لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کر کے دم لیا، وہ نظارہ بھی قابلِ دید تھا۔ جب مقام جرف میں خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔

Scanned with CamScanner

اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور لشکر کو چلنے کا حکم دیا۔ حضرت اسامہؓ اونٹ پر سوار ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے ساتھ پاپیادہ چل رہے ہیں اور نصیحتیں ارشاد فرمارہے ہیں۔ حضرت اسامہؓ عرض کرتے ہیں کہ اے خلیفۂ رسولِ خدا! یا آپؓ بھی سوار ہو جائیں اور یا میں بھی اونٹ سے اتر کر پاپیادہ چلوں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا۔ نہ تم سواری سے اترو گے اور نہ ہی میں سواری پر بیٹھوں گا۔ بس آپ اتنی مہربانی کریں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو میرے پاس رہنے کی اجازت بخشیں۔ چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما واپس مدینہ منورہ لوٹ آئے اور حضرت اسامہؓ اپنے لشکر کو لیکر بلقائے شام کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس نازک وقت میں لشکر کی روانگی سے ملک میں رعب چھا گیا۔ جہاں جہاں سے یہ لشکر گذرتا تھا لوگ آپس میں کہتے تھے کہ اگر مسلمانوں میں کچھ کمزوری ہوتی تو وہ اس وقت مدینہ سے اس قدر دور کے علاقہ میں لشکر نہ بھیجتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس فوجی طاقت کافی ہے۔ اس خیال نے بہت سے قبائل کی اصلاح کر دی۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور مسئلۂ ختمِ نبوت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہوتے ہی جو چیز بصورتِ فتنہ سامنے آئی وہ مدعیانِ نبوت کی کھیپ تھی۔ یمن کے علاقہ میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ داغ دیا۔ اور یمامہ کے علاقہ میں مُسَیلمہ نے رسالت کا دعویٰ کر دیا اور سجاح دختر حارث نے جزیرہ میں نبوت کا دعوی کر دیا۔ اور طلیحہ اسدی نے بنواسد اور بنوطے میں اپنی نبوت کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ مسئلۂ ختم نبوت کوئی معمولی مسئلہ نہ تھا۔ قرآنِ حکیم نے وضاحت سے اعلان کر دیا تھا کہ مُحمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی انسان کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا۔ سب نے بالاتفاق تمام مدعیانِ نبوت سے جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ تمام مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کے لیے الگ الگ

Scanned with CamScanner

لشکر نامزد کیے گئے۔ اور چند ہی ایام میں تمام لشکر فتحمندی کے جھنڈے لہراتے ہوئے واپس ہوئے۔ سچ ہے۔ ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

مدعیانِ نبوت کے قلع قمع کے بعد کفار سے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ چنانچہ عراق کی جانب حضرت خالدؓ بن ولید کو ایک بھاری لشکر سمیت روانہ کیا۔ عراق کے بہت سے مضافات آپؓ نے فتح کیے۔ خورنق اور سدیر اور نجف کے لوگوں سے مقابلہ ہوا اور اہلِ اسلام کو فتح ہوئی۔ نیز بوازیج اور کلواذی کے باشندوں نے مغلوبانہ صُلح کی۔ اہلِ انبار سے بھی شدید جنگ ہوئی۔ جس میں خدا تعالیٰ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فتحمندی عطا فرمائی۔ پھر عین التمر میں لڑائی ہوئی، اور حسبِ دستور سیفُ اللہ خالدؓ بن ولید رضی اللہ عنہ کو کامیابی ہوئی۔ اسی طرح دومۃ الجندل پر گھمسان کا رن پڑا۔ اور اہلِ اسلام کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد حمید اور فضیع اور زاض پر جنگ ہوئی۔ اور خالدؓ کو فتح ہوئی۔ اس کے بعد شام کے ملک میں رومیوں سے لڑائی کا انتظام کیا۔ اور عظیم الشان فتح سے اہلِ اسلام ہمکنار ہوئے۔ بہر حال لشکرِ صدیقیؓ جدھر بھی گئے فتحمندی نے ان کے قدم چومے۔ کسی ایک محاذ پر بھی شکست سے دوچار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ بغیر اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ غارِ ثور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرما دیا تھا: "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" یعنی معیت خداوندی جو خاص امداد سے عبارت ہے۔ میرے اور تیرے دونوں کے ساتھ یکساں ہے۔ ذائقۂ موت سے کوئی فردِ بشر مستثنیٰ نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جمادی الاخری ۱۳ ہجری کی ساتویں تاریخ کو بیمار ہوئے۔ اور ۲۲ تاریخ کو ۱۵ دن بیمار رہ کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

آپؓ کی نمازِ جنازہ میں اہلِ بیت نبویؐ کے تمام ممبر شامل تھے۔ اس کے بعد آپؓ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن کیا گیا۔ جو روئے زمین پر سب مقاموں سے افضل مقام ہے۔ پس یہ بھی آپ کی افضلیت کی ایک برہان ہے۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

Scanned with CamScanner

سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور قرآنِ حکیم

تمام اہلِ اسلام اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی خلافتیں صحیح تھیں خداوند تبارک و تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے مطابق تھیں۔ ان چاروں خلافتوں کو دنیائے اسلام خلافتِ راشدہ کے معزز لقب سے یاد کرتی ہے۔ اور مذکورۃ الصدر چاروں بزرگ ہستیوں کو جب تک اہلِ اسلام خلفائے راشدین نہ کہہ لیں۔ انھیں قلبی سرور حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ازراہِ خیر خواہی اہلِ اسلام خلافتِ راشدہ کے مضمون پر قلم اٹھایا جائے اور قرآن و حدیث سے اس کے بارے جو کچھ روشنی ملتی ہے۔ وہ الفاروق (ثانی اثنین نمبر) کے صفحات پر پھیلا دی جائے۔ پروگرام یہ طے پایا ہے کہ سب سے پہلے قرآنِ حکیم سے استفادہ کیا جائے۔ اس کے بعد کتبِ احادیث سے استدلال کیا جائے۔

قرآنی دلائل

پہلی دلیل : خداوند تبارک وتعالیٰ کا وہ ارشاد ملاحظہ ہو جو پارہ ۵ سورۂ نسا میں ہے :
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ ”اے ایمان والو! خدا کا حکم مانو اور اس رسول کا حکم مانو اور ان کا حکم مانو جو تم میں صاحبِ امر ہوں“۔

طریقِ استدلال : اس آیت میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور صاحبانِ امر کی اطاعت واجب فرمائی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس آیت میں ”صاحبانِ امر“ سے کیا مراد ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے بعد ”صاحبانِ امر“ کن حضرات کو کہا ہے؟ پس سب سے بہتر بات یہی ہے کہ ہم یہ مسئلہ بھی قرآنِ حکیم ہی سے دریافت کریں۔ قرآن کے ماننے والے جانتے ہیں کہ ”تفسیر قرآن“ کے واسطے یہ طریقہ نہایت ہی اچھا اور مقبولِ علماء طریقہ ہے۔ پس جب ہم نے قرآنِ حکیم میں غور کیا تو جواب آیا کہ ”صاحبانِ امر“ سے مراد یہ چاروں بزرگ ہیں جو دنیائے اسلام میں

خلفائے اربعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ دیکھو سورۂ شوریٰ میں جو کہ قرآنِ حکیم کے پچیسویں پارے میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ کی صفات گناتے ہوئے فرمایا: وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ یعنی ان کی حکومت جو ہوگی۔ تو ان کے باہمی مشورہ سے قائم ہوگی اور خوب ظاہر ہے کہ مکہ شریف میں مسلمانوں کے پاس کوئی حکومت نہ تھی اور مدینہ شریف میں آں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اہلِ اسلام کے بادشاہ تھے۔ جیسے آپؐ کی نبوت کسی کے مشورے پر موقوف نہ تھی۔ اسی طرح آپؐ کی حکومت بھی مشورے سے بے نیاز تھی۔ معلوم ہو گیا کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کی حکومت کے بارے ارشاد فرمایا کہ وہ مشورہ سے قائم ہوگی۔ اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرامؓ کے مشورہ اور باہمی رضامندی سے جو حکومتیں قائم ہوئی ہیں وہ صرف یہی چار حکومتیں ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت پر شورائی حکومت بھی ختم ہوگئی۔ اگر کوئی منچلا اس موقعہ پر کہدے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ ساتھ شورائی حکومت بھی شہادت پا گئی تو کوئی بے جا نہ ہوگا۔

نہج البلاغۃ میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ایک حدیث موجود ہے جس کے کلمات یہ ہیں: وَاِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ یعنی حکومت کے مشورے کی مدار مہاجرین اور انصار پر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مندرجہ بالا قرآن کی آیت شوریٰ کی تفسیر ہے۔ کیونکہ آیت شوریٰ میں تمام صحابۂ کرام کا شمول معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تمام صحابۂ کرامؓ کے مشورہ سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت قائم ہوگی۔ اس خیال کو دور کرنے کے لیے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے بعد حق مشورہ صرف مہاجروں اور انصاریوں کے واسطے ہے۔ کسی دوسرے کے واسطے یہ حق نہیں ہے۔ نہج البلاغۃ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس ارشاد سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس نظریہ کی تردید فرمائی ہے جو ان کے خطوط اور مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق مشورہ تمام اہلِ اسلام کے واسطے ہے۔ اسی لیے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو باغی نہیں جانتے تھے۔

Scanned with CamScanner

وہ کہتے تھے کہ جب تک تمام اہلِ اسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے اور میں باغی نہیں ہو سکتا۔ خیر سرِ دست اس بحث کو ہم لپیٹ کر کسی دوسرے وقت کے لیے محفوظ رکھتے ہیں۔ ہمارا مطلب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب آیت شوریٰ کی تفسیر میں مہاجرین اور انصار کی تخصیص فرمائی ہے۔ تو یہ قیاس سے نہیں ہو سکتی بلکہ ضرور ہے کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سنی ہو۔ جب آیتِ شوریٰ کا معنی اور مقصد متعین ہو گیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حق مشورہ صرف مہاجر اور انصار ہی کو ہے تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ سورۃ نساء میں اولی الامر یعنی "صاحبانِ امر" کی اطاعت کا جو حکم ہے تو وہ انھیں حضرات کی اطاعت ہے جن کی حکومت مہاجرین اور انصار کے مشورہ سے قائم ہوئی۔ اور اس بات کو دہرانے کی تو اب کوئی ضرورت نہیں رہی کہ مہاجرین اور انصار کے مشورہ سے جو حکومتیں قائم ہوئی ہیں وہ صرف یہ چار حکومتیں ہیں و بس۔

لفظ امر کو معرفہ کیوں لائے؟

میں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ صرفی نحوی اصطلاحات سے "الفاروق" کے صفحات کو بچائے رکھوں۔ مگر کیا کروں بعض اوقات مجبوراً استعمال کرنے پڑ جاتے ہیں۔ غالباً مرزا غالب صاحب کو بھی ایسی ہی مجبوری پیش آ گئی تھی جب کہا۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

نکرہ اس اسم کو کہتے ہیں جس کے معنے میں تعیین اور تشخص نہ پائی جاوے۔ اور معرفہ وہ اسم ہے جس کے معنے میں تعیین اور تشخص پائی جاوے۔ رَجُلٌ "کوئی مرد" اَلرَّجُلُ "خاص مرد"۔ اسی طرح رَسُوْلٌ "کوئی پیغمبر" اور اَلرَّسُوْلُ ---- "خاص پیغمبر"۔ جب معرفہ اور نکرہ کی وضاحت ہو گئی۔ تو قارئینِ الفاروق (ثانی اثنین نمبر) کی خدمت میں گزارش ہے کہ آیت سورت نساء میں لفظ امر کو نکرہ نہیں لائے۔ معرفہ کر کے لائے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کو تعیین اور تشخص منظور نہ ہوتی تو فرماتے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِیْ اَمْرٍ مِّنْكُمْ۔ جس کا معنے یوں ہوتا: اے ایمان والو! خدا کا حکم مانو اور اس رسول کا حکم مانو

Scanned with CamScanner

اور جو کوئی تم میں حاکم ہو، اس کا حکم مانو۔ لیکن جبکہ خدا تعالیٰ نے لفظ امر پر الف لام داخل کر دیا۔ جو کہ معرفہ ہونے کا خاص نشان ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں خدا تعالیٰ کو خاص قسم کی حکومت منظور ہے۔ نہ یہاں عام حکومتوں کا تذکرہ ہے اور نہ ہی عام حکام کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔ بلکہ ایک خاص قسم کی حکومت کا یہاں تذکرہ ہے۔ جس کا ذکر خدا تعالیٰ اس سے پہلے سورۂ شوریٰ میں فرما چکے ہیں۔ جس کا مکی سورتوں کی فہرست میں شمار ہے۔ اور یہ وہی آیت ہے جو ابھی نقل ہو چکی ہے۔ یعنی وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تفسیر قرآن ان کے عقیدت مندوں کے واسطے واجب التسلیم ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ نہج البلاغۃ جلد ۳ صفحہ ۸ سے آپ کا مکتوب شریف نقل کر دیا جائے جو قرآنی شوریٰ کی تفسیر میں اپنی نظیر آپ ہی ہے: اِنَّهٗ بَايَعَنِى الْقَوْمُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا اَبَابَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ عَلٰى مَابَايَعُوْهُمْ عَلَيْهِ فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَّخْتَارَ وَ لَا لِلْغَائِبِ اَنْ يَّرُدَّ وَ اِنَّمَا الشُّوْرٰى لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى رَجُلٍ وَ سَمَّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رِضًا۔

"جن لوگوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے یہاں بیعت کی تھی انھوں نے میرے یہاں اس چیز پر بیعت کی ہے جس پر ان کے یہاں بیعت کی تھی۔ پس حاضرِ مجلس کے لیے اختیار باقی نہ رہا۔ اور غائبِ مجلس کو حقِ رد نہیں رہا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس خلافت کا مشورہ صرف مہاجر اور انصار کے واسطے ہے۔ پس اگر یہ لوگ کسی ایک مرد پر اتفاق کر لیں اور اس کو امام نامزد کر دیں تو اس اجتماع اور نامزدگی میں خدا کی رضامندی شامل ہوتی ہے"۔

نوٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ کلام خلافت کے مسئلہ میں قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے آپ نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ قرآنِ حکیم میں جو لفظ شوریٰ موجود ہے وہ عام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد خاص مہاجرین اور انصار کا مشورہ ہے۔ اسی واسطے آپ نے لفظ شوریٰ پر وہ الف لام داخل فرما دیا ہے جو کسی خاص چیز کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے عربی زبان میں مقرر ہے۔ الف لام کے ذریعہ آپؓ اس شوریٰ کی جانب اشارہ کر رہے ہیں جو سورۂ شوریٰ میں موجود ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے لفظ امر پر الف لام داخل کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا جو سورۂ شوریٰ میں موجود ہے۔ آخر میں جو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے شمول کا اعلان فرمایا ہے۔ اس کی وجہ بھی

یہی ہے کہ آپؓ قرآنِ حکیم کی تفسیر کر رہے ہیں۔ کیونکہ جو چیز قرآن میں موجود ہے اس پر عمل کرنے سے یقیناً خداوند تبارک و تعالیٰ کی رضامندی شاملِ حال ہوا کرتی ہے۔

سوال نہج البلاغۃ کی شرح لکھنے والے علماءِ کرام اس مقام پر پہنچ کر لکھا کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے امیر معاویہؓ کو الزام دینے کے لیے فرمایا کہ شوریٰ خلافت کی مدار مہاجرین اور انصار پر ہے کیونکہ وہ اس بات پر عقیدہ رکھتے تھے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک از روئے تحقیق خلافت کی مدار شوریٰ پر نہیں تھی۔ بلکہ نصِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نصوصِ خلافت میں سے ایک کا بھی اس مکتوب میں تذکرہ نہیں فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مکتوب شریف میں حضرت علیؓ نے اپنی خلافت پر جو دلیل قائم کی ہے یہ تحقیقی نہیں بلکہ الزامی ہے۔

الجواب اِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ خلافت کی مدار مہاجرین و انصار کے مشورے پر ہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس بات پر کوئی عقیدہ نہیں تھا۔ یہ بات ان کے یہاں مُسلم نہیں تھی بلکہ وہ تو کہتے تھے کہ خلافت کی مدار تمام مُسلمانوں کے مشورے اور رضامندی پر ہے۔ ان کے نزدیک مہاجرین اور انصار کی کوئی تخصیص نہ تھی اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضرت امیر معاویہؓ کے نظریہ کی تردید فرما رہے تھے۔ اس واسطے آپؓ نے جواباً لکھا کہ انصار اور مہاجر تو میرے یہاں شام میں بھی ہیں۔ جنھوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ تو جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دوسری تخصیص کر کے فرمایا کہ مہاجرین اور انصار میں سے بھی شورائے خلافت کی مدار اصحابِ بدر پر ہے' اور غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے تمام کے تمام میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ ان کا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو آپؓ کے پاس شام میں مُقیم ہو۔

دیکھو ناسخ التواریخ جلد ۳ از کتاب دوم صفحہ ۲۲۵ سطر ۱۰: "معاویہؓ گفت جماعتی از مہاجر و انصار در نزدِ من حاضر اند و ہیچ یک دریں امر داخل نہ شدند و تصدیق نکردند چوں ایں خبر با امیر المومنین ؑ آوردند۔ فرمود ہاں اے قاریان بکلماتِ معاویہؓ مغرور نشوید و فریب او مخورید ایں مکانت و منزلت در مہاجر و انصار مخصوص غازیان بدر است نہ دیگر کساں از صحابہؓ و ہیچ کس از غازیانِ بدر نیست الا آنکہ با من بیعت کردہ و در لشکر گاہِ من است"۔

یعنی "معاویہؓ نے کہا کہ مہاجر اور انصار کے کچھ لوگ میرے پاس ہیں، جنھوں نے تیرے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، اور تیری خلافت کی تصدیق نہیں کی۔ جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچائی گئی تو آپؓ نے فرمایا: اے قرآن کے پڑھنے والو! معاویہؓ کی باتوں سے دھوکہ نہ کھانا اور اس کے زیب میں نہ آنا۔ کیونکہ حق مشورہ کا درجہ مہاجر و انصار میں سے غازیانِ بدر کے ساتھ وابستہ ہے۔ صحابہؓ میں سے اور کسی کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ اور بدریوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس نے میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، اور وہ سب میرے لشکر میں موجود ہیں"۔

ناظرینِ کرام! ناسخ التواریخ کے حوالہ سے معلوم ہو گیا کہ اس مکتوب میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنا عقیدہ تحریر فرما رہے ہیں اور امیر معاویہؓ کے نظریہ کی تردید کر رہے ہیں اس لیے اس مکتوب شریف میں درج شدہ دلیل کو الزامی دلیل بنانا خوش فہمی کی مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جو مہاجرین اور انصار میں سے خلافت کے مشورہ کے لیے غازیانِ بدر کی تخصیص فرمائی ہے، اس سے ایک پرانا اشکال بھی حل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر تمام انصارِ مدینہ نے بیعت کر لی۔ مگر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کی۔ تو اجماع مخدوش ہوگیا اس اشکال کے حل ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مہاجرین و انصار میں سے غازیانِ بدر کو مدارِ خلافت ٹھیرایا ہے اور حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف اور بخاری شریف میں جہاں "بدریین" کے نام گنائے ہیں، وہاں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اسم شریف مذکور نہیں ہے۔ طبقات ابن سعد مطبوعہ بیروت جلد ۱۲ صفحہ ۶۱۴ سطر ۷ پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ذکر میں مرقوم ہے:
وَكَانَ سَيِّدًا جَوَّادًا وَلَمْ يَشْهَدْ بَدْرًا یعنی آپؓ سردار تھے، سخی تھے اور غزوۂ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ معلوم ہوگیا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے نظریہ کے مطابق جن لوگوں کی بیعت کی ضرورت تھی ان میں سے کوئی بھی صدیقی بیعت کے بغیر نہ رہ گیا تھا۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

سوال بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حیاتِ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہیں کی۔ تو اجماع مخدوش ہو گیا؟

جواب کتبِ تاریخ گواہ ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے روز ہی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں بیعت کر لی تھی۔ دیکھو تاریخ الامم والملوک جلد ۲ صفحہ ۴۴۷ سطر ۲: عَنْ حَبِیْبِ بْنِ اَبِیْ ثَابِتٍ قَالَ کَانَ عَلِیٌّ فِیْ بَیْتِہٖ اِنْ اُتِیَ فَقِیْلَ لَہٗ قَدْ جَلَسَ اَبُوْبَکْرٍ لِلْبَیْعَۃِ فَخَرَجَ فِیْ قَمِیْصٍ مَا عَلَیْہِ اِزَارٌ وَلَا رِدَآءٌ عَجِلًا کَرَاهِیَۃَ اَنْ یُّبْطِئَ عَنْہَا حَتّٰی بَایَعَہٗ ثُمَّ جَلَسَ اِلَیْہِ وَبَعَثَ اِلٰی ثَوْبِہٖ فَاَتَاہُ فَتَجَلَّلَہٗ وَلَزِمَ مَجْلِسَہٗ۔
"حبیب سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی آنے والے نے آکر کہا کہ ابوبکرؓ لوگوں سے بیعت لینے کے لیے بیٹھ گئے ہیں۔ پس حضرت علیؓ جلدی سے اٹھے۔ درحالیکہ آپؓ صرف ایک کرتا پہنے ہوئے تھے، نہ تہبند تھا نہ چادر تھی۔ آپؓ نے بیعت کرنے میں دیر کو مکروہ جانا۔ یہاں تک کہ بیعت کی۔ پھر ابوبکرؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ اور کپڑوں کے لیے آدمی بھیجا۔ وہ آیا تو آپؓ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مجلس کو لازم پکڑ لیا"۔

سوال صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انتقالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ ماہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں بیعت کی تھی وجہ تطبیق کیا ہے؟

جواب حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اور حافظ بدرالدین عینیؒ شارحینِ بخاری نے تصریح کی ہے کہ چھ ماہ بعد جو بیعت ہوئی تھی وہ بیعتِ ثانیہ تھی۔ پہلی بیعت تو وہ ہی تھی جو حضرت کرم اللہ وجہہ نے مسجد نبویؐ میں حسبِ بیان ابنِ جریر طبری کر لی تھی۔

نوٹ آیتِ اولی الامر کی تشریح سے واضح ہو گیا کہ "اولی الامر" چار بزرگ ہیں جن میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلا نمبر ہے۔ پس خلافت کے ساتھ ساتھ افضلیت بھی ثابت ہو گئی۔ حافظ شیرازیؒ نے کہا۔ ؎

Scanned with CamScanner

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند ۔ ہزار نکتۂ باریک تر زِ مُو اینجاست

دوسری دلیل : وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ "خدا تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ انھیں زمین میں حکومت دیگا۔ جیسا کہ ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور ان کے دین کو ملک میں مضبوطی عطا کرے گا، جو ان کے لیے خدا نے پسند کرلیا ہے۔ اور دشمن سے خوف کی جگہ پر امن دے دے گا۔ وہ میری بندگی کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد انکار کریگا وہ بے فرمانوں کی جماعت میں شامل ہوجائے گا۔

تفسیر سورۂ نور پارہ ۱۸ کی اس آیت میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیشین گوئی فرمائی ہے جو حرف بحرف صحیح نکلی۔ اس اعتبار سے آیتِ مذکورہ کو ان آیات میں شمار کرنا چاہیے جو اخبار غیبیہ پر مشتمل ہیں اور قرآنِ حکیم کے من جانب اللہ ہونے پر شاہد عدل ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھیوں سے حکومت عطا فرمانے کا وعدہ اس وقت کیا جبکہ تمام عرب اسلام کو اس کے نام لیواؤں کو کچل دینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ اور مشرکینِ مکہ مدینہ پر باربار حملے کرتے تھے اور مسلمانوں کے مویشیوں کو اور مال ومتاع کو لوٹ کرلے جاتے تھے۔ ان حالات میں خدائے عزوجل نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خوشخبری سنائی کہ مشرکین کے توہمات اور کفارِ مکہ کے خیالات میں کوئی حقیقت نہیں۔ اسلام اور اہلِ اسلام دن دوگنی رات چوگنی ترقی کریں گے۔ اور یہ سلسلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی برابر ترقی کرتا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور جانشین ایسے ہوں گے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھا۔

Scanned with CamScanner

اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوا۔ ان دونوں جانشینوں میں جو مشابہت ہے وہ علمِ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہے۔

دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیٹے موجود تھے جو اقرب تھے اور خلافت حضرت یوشع علیہ السلام کو ملی جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے رشتہ دار تھے۔ اسی طرح آں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد اقربین کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی جو کہ ابعد یعنی دور کے رشتہ دار تھے۔

تشبیہ کی بحث: آیتِ مذکورہ سورۂ نور میں کَمَا حرفِ تشبیہ ہے۔ اس کا ماقبل مُشَبَّہ ہوتا ہے اور اس کا مابعد مُشَبَّہ بِہ ہوا کرتا ہے۔ آسان لفظوں میں یوں سمجھو کہ دو چیزوں کو آپس میں ملا دینا تشبیہ ہے۔ جیسا کہا کرتے ہیں: زید شیر کی مانند ہے۔ اس فقرے میں زید کو شیر سے ملا دیا گیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں بہادری کی صفت پائی جاتی ہے۔ بہادری کی وجہ سے زید اور شیر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ پس زید کو مُشَبَّہ کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی چیز سے ملایا گیا۔ اور شیر کو مُشَبَّہ بِہ کا لقب دیتے ہیں۔ یعنی کوئی چیز اس سے ملا دی گئی ہے۔ آیتِ مذکورہ میں چونکہ حرفِ تشبیہ موجود ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس میں مُشَبَّہ اور مُشَبَّہ بِہ کی تعیین کریں۔ سو ظاہر ہے کہ آں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خلافت اور جانشینی مُشَبَّہ ہے لیکن مُشَبَّہ بِہ اس قدر واضح نہیں ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہاں گزرے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی خلافت کو مُشَبَّہ بِہ قرار دیا ہے۔ جو بہت وسیع چیز ہے۔ اس لیے ہمیں ضرورت لاحق ہوئی کہ کسی طریق سے مُشَبَّہ بِہ کی تعیین کریں۔ اور طریقے دو ہیں۔ ایک خود قرآن، دوسرا حدیث۔ قرآنِ حکیم کا درجہ بہ نسبت حدیث کے فائق ہے۔ اس لیے پہلے پہلے ہم قرآن ہی سے دریافت کرتے ہیں کہ آیت میں جس چیز کو مُشَبَّہ بِہ بنایا گیا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ کیا "اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے خلفاء ہیں؟ یا حضرت نوح علیہ السلام کے جانشین ہیں؟ یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قائم مقام ہیں؟ یا حضرت داؤد علیہ السلام کے وصی ہیں؟ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفے ہیں؟۔ قرآنِ حکیم کی راہنمائی میں آخری شق کی تعیین ہوتی ہے۔

سورۂ مزمل میں ہے: "اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ

اِلیٰ فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً" ہم نے تمھاری طرف ایک ایسا رسُول بھیجا جو تمھارے سامنے توحید کی شہادت دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسُول بھیجا تھا۔

سورۂ بقرہ میں ہے: "اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَکُمْ کَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ" کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اس رسُول سے ایسے سوال کرو جیسا کہ اگلے زمانے میں موسیٰ علیہ السّلام سے سوال کیے گئے تھے۔

قرآنِ حکیم کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حالات حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے حالات سے ملتے جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب شریف سے ازالۂ غم مقصود ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا قصہ چھیڑ دیتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ القصص اور سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ حٰم مومن چار گواہ ہیں۔ بہر حال قرآن کے بیشتر حصے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی تشبیہ کی شہادت دیتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اقرار کرنا پڑا ہے کہ سورۂ نُور کی آیت استخلاف میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفے مُشبّہ ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے خلیفے مُشبّہ بہ ہیں۔

حدیثِ تشبیہ: قرآن کے فہم کے واسطے دوسرا نمبر حدیث شریف کا ہے۔ مُسلمانوں میں ایک حدیث زبانِ زدِ عام ہے۔ جس کو حدیثِ منزلت کے نام سے پکارتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ "اے علیؑ! تو اور میں ایسے ہیں جیسا کہ ہارونؑ اور موسیٰؑ تھے مگر میرے نبی ہو جانے کے بعد اور کوئی نبی نہیں"۔

اس حدیث میں غور کرو۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السّلام سے تشبیہ دی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون علیہ السّلام سے تشبیہ دی ہے۔ سوال پیدا ہوا کہ شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ ہارون علیہ السّلام کی طرح پیغمبر بھی ہیں۔ جواباً ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے روبرو ہارون علیہ السّلام پیغمبر تھے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نبوت نے کسی دوسری نبوت کا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ اور میرے نبی ہو جانے کے بعد کسی دوسرے شخص کی نبوت کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اس لیے علیؓ میرا بھائی تو ہے نبی نہیں ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت علیؓ کی منقبت ثابت ہوتی ہے۔ باقی رہ گئی

Scanned with CamScanner

خلافتِ بلافصل، تو اس کا اس حدیث کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہاں البتہ حدیث سے آں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ ثابت ہوگئی۔ جس کے نتیجہ میں خلافتِ موسویؑ اور خلافتِ محمدیؐ ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئیں۔ اور آیت سورۂ نور میں جو حرف تشبیہ ہے اس کی دونوں طرفیں یعنی مُشبّہ اور مُشبّہ بہ بھی اس حدیث نے معین کر دیے۔

اقوالِ مُفسرین : بعض محقق مُفسرین نے بھی كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کی تشبیہ کو خلافتِ محمدیؐ اور خلافتِ موسویؑ میں منحصر تسلیم کیا ہے۔ ترجمہ قرآن معہ تفسیر فارسی از شیخ محمد حسین خوانساری ایرانی صفحہ ۲۹۷ پر مرقوم ہے : ”و حق تعالیٰ سوگند خورد و وعدہ داد کہ ہر آئینہ ایشاں را خلیفہ گرداند۔ در زمین کفار از عرب و عجم ہمچنانکہ خلیفہ گردانید خدائے آنرا کہ بودند پیش از ایشاں یعنی بنی اسرائیل کہ زمین مصر و شام بدیشاں داد تا تصرف کردند ہمچنانکہ ملوک در ممالک خود میکنند“۔ ترجمہ : خدا تعالیٰ نے قسم کھا کر وعدہ دیا کہ ضرور صحابۂ کرامؓ کو عرب و عجم کے کافروں کی زمینوں پر حکومت دے گا جیسا کہ بادشاہ بنایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔ مُراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر و شام کی زمین پر حکومت دی تھی اور اس طرح ان زمینوں میں تصرف کرتے تھے جیسا کہ بادشاہ اپنے اپنے ملک میں تصرف کرتے ہیں۔

جناب مفتی شیخ محمد حسین صاحب خوانساری نے اپنی اس تفسیر میں اقرار کر لیا ہے کہ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے مصر اور شام پر تسلُّط اور غلبہ عطا فرمایا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد مصر اور شام پر بنو اسرائیل کو حکومت حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت بنی اسرائیل کا امام اور پیشوا یوشع بن نون علیہ السلام تھا۔ اس کی ماتحتی میں عمالقہ شام سے لڑائی ہوئی اور خدا تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو فتح عطا فرمائی۔ مفتی شیخ محمد حسین صاحب نے آیت استخلاف میں مُشبّہ بہ موسوی خلافت کو قرار دیا ہے۔

اسی طرح علامہ طبری نے حضرت سلمان فارسی کا ایک ارشاد نقل کیا ہے : وَلٰكِنَّكُمْ اَخَذْتُمْ سُنَّةَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ یعنی اے لوگو! تم نے بنی اسرائیل کے دستور کو اپنا لیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی کا خطاب صحابۂ کرامؓ نبی علیہ السلام سے ہے اور بنو اسرائیل کے دستور سے مراد یہی ہے کہ اقرب کو چھوڑ کر ابعد کو خلیفہ بنالیا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے فرزند نرینہ موجود تھے، جو سب سے زیادہ اقرب ہوتے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مندرجہ بالا ارشاد احتجاج طبرسی مطبوعہ نجفِ اشرف احتجاج سلمان فارسی صفحہ ۶۷ سطر ۹ پر موجود ہے۔

خلاصۂ کلام: مذکورہ بالا تمام سردردی کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محقق مفسرین اس بات پر گواہ ہیں کہ آیت استخلاف میں خلافتِ محمدیؐ مُشبّہ ہے اور خلافتِ موسویؑ مُشبّہ بہ ہے۔

محمدیؐ اور موسویؑ خلافتوں کی تفصیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس جہانِ فانی سے روانہ ہونے لگے ہیں تو حضرت یوشع بن نون کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا ہے۔ حالانکہ اس وقت جیرسون بن موسیٰ علیہ السلام اور العاذر بن ہارون علیہ السلام زندہ تھے۔ اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو خلیفہ بنایا گیا۔ کیونکہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں بزرگ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوتے ہوتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کے بارہ فرزندوں میں سے یوسف علیہ السلام کی نسل مبارک سے حضرت یوشع پیدا ہوئے اور لیوی کی نسلِ پاک میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت یوشع علیہ السلام کا نسب نامہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک دستیاب ہوگیا ہے۔ جس سے بُعد کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔ دیکھو ناسخ التواریخ جلد ا کتاب اول صفحہ ۲۰۹ یوشع بن نون بن الیشاماع بن عمیہود بن اعداد بن سوالاح بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہ السلام لاوی بن یعقوب علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کے اسمائے گرامی پوری تفصیل کے ساتھ ابھی تک دستیاب نہیں ہوئے۔ جو کچھ مشہور ہیں وہ تعداد میں کم ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نام غیر مذکور ہیں۔

اب دوسری طرف آئیے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساتویں پشت میں مل گئے ہیں۔ دیکھو مرہ بن کعب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ہیں اور یہی بزرگ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے بھی جدِ امجد ہیں۔ رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ ۵۹ تفصیل اس کی یوں ہے۔

Scanned with CamScanner

نسب: حضرت ابوبکر صدیقؓ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ رضی اللہ عنہم۔

نتیجہ: یہ نکلا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کا نسب حضرت یعقوب علیہ السلام میں مل جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نسب مکرم حضرت مرہ بن کعب میں متحد ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع آٹھویں پشت میں جا کر ملے ہیں، تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ساتویں پشت میں مل گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا خلیفہ اور آنحضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا پہلا خلیفہ آپس میں جو مشابہت رکھتے ہیں وہ اب روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح ہو چکی ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نہایت قریبی رشتہ داروں کے ہوتے ہوئے دور کے رشتہ دار کو خلافت ملی ہے، اسی طرح خدا تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے وعدہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے بعد بھی میں قریبی رشتہ دار کو چھوڑ کر دور کے رشتہ دار کو خلافت دوں گا۔ اور یہ وعدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پورا ہو گیا۔ کیونکہ بہ نسبت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار موجود تھے۔ جیسا کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین اور حضرت عباس اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ و وجوہہم۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ وجہ تشبیہ قرب و بعد کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ نصِ خداوندی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اگلے زمانے میں خدا تعالیٰ نے پیغمبروں کے خلیفے خود مقرر فرمائے ہیں اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفے بھی خود مقرر فرمائے گا۔ لوگوں کے مشورے اور انتخاب کو خلافت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔

جواب ۱: اگر آیت سورۂ نور میں وجہ تشبیہ صراحتِ خداوندی کو بنایا جائے، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے تو قرآنِ حکیم کی اس آیت میں اور سورت شوریٰ کی آیت: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ میں تناقض قائم ہو جائے گا۔ وجہ بالکل ظاہر ہے کہ سورۂ شوریٰ کی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ مہاجرین اور انصار مشورہ کر کے خلیفہ کا انتخاب کریں گے۔ اور آیت سورۂ نور کا تقاضا حسبِ زعمِ بعض یہ ہوگا کہ مشورہ اور انتخاب کوئی چیز نہیں ہے۔ تصریحِ الٰہی سے خلیفہ مقرر کیا جائے گا۔ اس لیے حق یہ ہے کہ وجہ تشبیہ کوئی ایسی چیز

Scanned with CamScanner

بنائی جائے جو قرآن کی کسی دوسری آیت کے مضمون کے برخلاف نہ ہو اور وہ اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو خلیفہ بنانا ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

جواب ۲ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جو پیغمبر اس جہانِ فانی سے روانہ ہوتا تھا تو وہ بحکم خدا کسی معتمد علیہ شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیتا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ بذاتِ خود تشریف لادیں اور کسی شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمائیں کہ میرے اس پیغمبر کا جانشین یہ شخص ہے۔ آئندہ اس کی اطاعت کیا کرو۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے پیغمبر سے وہ ہی کہلوا دیا جو حکمت کا تقاضا تھا۔ اسی طرح مہاجرین اور انصار سے وہ ہی کام کرا دیا جو تقاضائے حکمت تھا۔ آپ بذاتِ خود نہ تو پہلے کبھی امام مقرر کرنے کے لیے آئے ہیں اور نہ آخری نبیؐ کے وقت میں ایسا کیا ہے۔ پہلے جو کام پیغمبر سے لیتے تھے دورِ حاضرہ میں وہی کام امت سے لے لیا۔ اور یہ بھی اس آخری امت کی فضیلت ہے جس سے اسے مخصوص کیا گیا۔

ایک حدیث بدیں الفاظ مشہور ہے: عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ یعنی میری امت کے عالم بنو اسرائیل کے پیغمبروںؑ کی مانند ہیں۔

کوئی بعید نہیں کہ اس حدیث میں "علماء امتی" سے مراد مہاجرین اور انصار ہوں۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر خلیفہ مقرر کرتے تھے۔ اسی طرح میری امت کے عالم جو مہاجرین اور انصار سے عبارت ہیں، خلیفہ مقرر کر لیں گے۔ اس پر جو فرشتہ کے نہ آنے کی وجہ سے اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس کو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے: فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَّ سَمَّوْهُ اِمَامًا کَانَ ذٰلِکَ لِلّٰهِ رَضًا۔ ارشاد فرما کر دور کر دیا۔ چونکہ حضرت علیؓ کا یہ ارشاد پہلی دلیل کے ضمن میں گذر چکا ہے، اس لیے دوبارہ تشریح کی ضرورت نہیں۔

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں خلافت کی شرط ہے ایمان اور عمل صالح۔ یہ دونوں چیزیں حضرت ابوبکرؓ میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لیے وہ اس وعدہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔

جواب خدا تعالیٰ نے جو خلافت ارضی کا وعدہ فرمایا تھا، جب وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں پایا گیا۔ تو ایمانِ کامل اور عملِ صالح خود بخود ثابت ہو گئے۔ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کافروں کو تو حکومتِ ارضی دینے کا کوئی وعدہ نہ تھا۔ پس حکومتِ ارضی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بعد نبی

Scanned with CamScanner

صلی اللہ علیہ وسلم کے متصلاً حاصل ہوئی۔ ایمانِ کامل اور عملِ صالح کا نشان ٹھہری اور شانِ نزول جو ہم نے ابتداء میں لکھا ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

تمکینِ دین کی بحث وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ صحابۂ کرام کے لیے جو دین پسند فرمایا ہے اس کو ملک میں غلبہ اور طاقت عطا کرے گا۔ اس حصے کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔ اس لیے مڑ کر دیکھ لیں۔ دین کے غلبے کا معنے اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ حکومت اس دین کے ماتحت رہے، واقعی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکومت دینِ اسلام کے ماتحت تھی۔ کیونکہ آپؓ کی حکومت میں کوئی ایسا قانون جاری نہیں کیا گیا جو قرآن و حدیث کے خلاف تھا۔ منکرینِ زکوٰۃ کا قصہ تو سُنا ہوگا۔ مالک بن نویرہ نے کہا کہ زکوٰۃ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مخصوص تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے تشریف لے گئے تو زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو گئی، اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو واپس کر دیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو تمام صحابۂ کرامؓ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جمع کرکے فرمایا: مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ قَاتَلْتُهُ. یعنی جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے میں اس سے جنگ کروں گا۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے نماز قیامت تک فرض ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی قیامت تک فرض ہے۔ قرآنِ کریم کی جن آیات سے نماز کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، انہی سے زکوٰۃ کی فرضیت بھی ثابت ہوتی ہے۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کو تسلیم کیا جائے اور دوسری کا انکار کیا جائے؟ کافی بحث و مذاکرہ کے بعد تمام صحابۂ کرامؓ نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کر لیا اور اس پر عمل درآمد ہوا۔ اس موقعہ پر بعض صحابہؓ نے عرض کیا تھا کہ یہ نازک موقعہ ہے۔ اس وقت منکرینِ زکوٰۃ سے تعرض نہ کیا جائے۔ مدعیانِ نبوت سے نپٹ لینے کے بعد مانعینِ زکوٰۃ سے تعرض کرنا چاہیے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں جب تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جسم میں جان ہے دینِ الٰہی میں کوئی تغیر برداشت نہیں کیا جائے گا۔

ایک لطیفہ: اس آیت میں لفظ "دین" کو تمام صحابۂ کرامؓ کی جانب مضاف کیا ہے جن میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بھی شامل ہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دین ایک ہی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دین علیحدہ

Scanned with CamScanner

بتانے والے ذرا اس آیت میں غور کریں۔ وحدتِ دین ہی تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتدا میں نمازیں پڑھیں۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ ایسے ہوتے جیسا کہ آج کل بعض لوگ انھیں خیال کرتے ہیں۔ تو اقتدائے نماز کی تو کوئی صورت نہ تھی۔ جو لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو برا جانتے ہیں وہ ان کے ماننے والوں کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھتے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے پیچھے کس طرح نماز پڑھ لی؟ یہ ایک مُعمّہ ہے جو کم از کم میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ایک نکتہ : اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اور ان کے رفقائے کرام رضی اللہ عنہٗ کے دین کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ نمازِ تراویح کے ثبوت کے لیے حدیثِ مرفوع دستیاب نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ خلفائے اربعہؓ کے دینی کام خدا تعالیٰ کو پسند ہیں۔

خوف و امن کی بحث وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ یعنی میرے نبیؐ کے جانشینوں کو دشمن کا خوف آئے گا۔ اس کے بعد وہ خوف جاتا رہے گا۔ اور اطمینان اور سکونِ قلب اس کی جگہ لے لے گا۔ یہ خوف وہ ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی فتنۂ ارتداد کی صورت میں رونما ہو گیا تھا۔ عرب کے کئی قبائل مرتد ہو گئے' اور انھوں نے عَلمِ بغاوت بلند کر دیا اور مدینہ پر چڑھائی کے انتظامات کر لیے۔ کچھ لوگ نئی نبوت کے دعوے کر کے اپنی اپنی جماعت بنانے لگ گئے' اور مسلمانوں کو جنگ کا چیلنج دینے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے خلیفہ ہوتے ہی یہ خوفناک آندھیاں چلنے لگیں۔ یہ صورتِ حال وہ تھی' جس میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ حیران اور پریشان ہو گئے۔ دہشت اور خوف کی حالت پیدا ہو گئی۔ مگر خداوند تبارک و تعالیٰ نے مثیلِ یوشعؑ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کو دہشت اور خوف سے محفوظ رکھا۔ آپؓ نے وہ پامردی اور استقلال دکھایا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ اس لیے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا تھا : "اِنَّ اَبَابَکْرٍ قَامَ مَقَامَ الْاَنْبِیَآءِ" یعنی ابوبکر پیغمبروںؑ کے کھڑا ہونے کی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ اتنی زبردست دہشت اور خوفِ دشمن کے وقت ثابت قدم رہنا' پیغمبروںؑ کی شان ہے۔

Scanned with CamScanner

بہرحال ان فتنوں میں جو خوف و ہراس رونما ہوا، اس کے ازالہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مساعیٔ جمیلہ نے بے مثال کام کیا۔ اور اگر ان کارروائیوں کو صدیقی کرامات میں شامل کر دیا جائے تو موزوں ہوگا۔

یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھرائیں گے۔ یہ نشان بھی حضرت ابوبکر صدیق کی ذات ستودہ صفات میں بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ آپ کا مشہور مقولہ ہے : مَا سَجَدْتُ صَنَمًا قَطُّ۔ یعنی میں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ عرب میں بت پرستی کے رواج کے پیشِ نظر دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ جس نے غیر اللہ کو سجدہ نہیں کیا وہ شرک کی دوسری قسموں سے بھی یقیناً محفوظ ہوگا۔ جیسا کہ چڑھاوے چڑھانا اور منت ماننا اور کسی کو دور سے پکارنا، وغیرہا۔

اگر کوئی شخص مذکورہ بالا نشان کا انکار کرے تو اس کا فرض ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات میں خلافت کے زمانے میں غیر اللہ کی عبادت ثابت کرے۔ بھلا وہ شخص جو ابتدا ہی سے شرک کی جمیع اقسام سے نفور ہے، خلافتِ نبوت کے وقت وہ کب اس نجاست سے ملوث ہو سکتا ہے؟

آخر میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے منکر کو فاسق کا لقب عطا کیا ہے۔ میرے خیال میں محققینِ زمانہ کے واسطے یہ انعام کافی ہے۔ سچ ہے۔ ع

بسیار گر ہم نشود کم غنیمت است

دلیل سوم : سورۂ توبہ کی مشہور معروف آیت، آیتِ غار کے نام سے زبان زدِ خاص و عام ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں : اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ "اگر تم لوگ اس پیغمبر کی امداد نہیں کروگے تو کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ خدا نے اس کی امداد اس وقت کی تھی جبکہ کافروں نے اسے ایک دوسرے آدمی سمیت نکال دیا تھا۔ جبکہ وہ دونوں اس غار میں تھے، جبکہ اس پیغمبر نے اپنے رفیق سے کہا تھا : غمگین نہ ہو یقیناً

خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پس خدا نے اپنا خاص اطمینان اس پر اتارا، اور خدا نے اس پیغمبر کی امداد ایسے لشکروں سے کی، جنھیں تم نہیں دیکھتے تھے۔ اور کافروں کی بات کو نیچا کر دکھایا اور خدا کی بات ہمیشہ بلند رہا کرتی ہے۔ اور خدا بڑے زور والا ہے، اس کے تمام کاموں میں حکمت ہوتی ہے"۔

تشریح غزوۂ تبوک کی تیاری ۹ ہجری میں ہوئی۔ اس تیاری کی وجہ ہرقل قیصر روم کی جانب سے مدینہ پر حملہ کی تیاری تھی۔ آنحضورؐ تیس ہزار صحابہؓ کی معیت میں تشریف لے گئے۔ عیسائی حاکم پر رعب چھا گیا، اور میدان میں نہ آیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کافی دن اس علاقہ میں تبلیغ کرتے رہے۔ ہزاروں آدمیوں کو دولتِ اسلام نصیب ہوئی۔ اور آپ بعافیت و سلامتی واپس تشریف لائے۔ چونکہ اس سفر کی تیاری ایسے ایام میں پیش آئی۔ جو عرب کے واسطے ایام فصل سے تعبیر کیے جاتے تھے۔ کھجوریں پکی ہوئی تھیں۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ اس لیے کمزور ایمان لوگ اس سفر سے جی چرا رہے تھے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے اس موقعہ پر گزرے ہوئے ایسے واقعات کی طرف اشارہ فرمایا جو اس سے زیادہ کٹھن اوقات کے واقعات تھے، اور خاص خداوندی امداد شامل ہو چکی تھی۔

(۱) پہلا وقت وہ ہے جبکہ کفارِ مکہ نے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنے پیارے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اس کو اسلام میں ہجرت کہتے ہیں۔ اس وقت آپؐ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ صرف ایک شخص تھا جس کو خدا تعالیٰ نے "ثانی اثنین" کے بے نظیر لقب سے نوازا۔ ہر وہ شخص جس کے پاس تھوڑی سی عقل کی پونجی ہے اور واقعاتِ عالم کے مطالعہ کی لیاقت رکھتا ہے وہ اس وقت کی اہمیت کو نہایت آسانی سے معلوم کر سکتا ہے۔ حالات اسی طرح پر ہیں کہ تمام معززینِ مکہ نے اور سردارانِ قریش نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا تہیہ کر لیا ہے اور قتل کرنے والے کے واسطے ایک سو سرخ اونٹ کا انعام مشتہر کر دیا گیا ہے۔ اس انعام کی مشتہری کی دیر تھی۔ کہ مکہ اور اس کے قرب و جوار کے باشندے اس کے حاصل کرنے کے لیے ہمہ تن جد و جہد بن گئے۔ یہ کتبِ سیرت اور تاریخ میں لکھا ہے کہ شہرِ مکہ کی تمام گلیاں آدمیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کی وجہ یہی بھاری قسم کا انعام ہے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ محمد میرے ہاتھ سے قتل ہو اور یہ انعام میرے نصیبوں میں آ ملے۔ آپؐ کے قتل کے لیے تو مذہبی اختلاف بھی کافی تھا۔ انعام کے اشتہار نے اس پر وہ کام کیا جو جلتی ہوئی

آگ پر تیل کیا کرتا ہے۔ ایک آگ تھی جو حضور ﷺ کے خلاف مرد وزن صغیر وکبیر بوڑھے اور جوان کے دل میں موجزن تھی۔ اس حالت میں آپ ﷺ کا ساتھ دینا خالہ جی کا گھر نہ ہو سکتا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم کے صفحات خالی ہیں۔ میرے نزدیک تو شبِ ہجرت کا ساتھ ہی استحقاقِ خلافت کے لیے کافی ہے۔ اگر اہلِ مکہ میں سے کوئی فرد آنحضور ﷺ کے قتل میں کامیاب ہو جاتا تو ابوبکر صدیق کے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ بلکہ پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قتل کرتے اس کے بعد آنحضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوتے۔ اس بوڑھے عاشق نے اپنی عزیز جان ہتھیلی پر رکھ کر آنحضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ ؎

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

پس خداوند تبارک و تعالیٰ نے جو اپنے کلام میں اس عاشقِ صادق کا "ثانی اثنین" کے صیغہ سے ذکر فرمایا ہے۔ کوئی جائے تعجب نہیں۔ ہاں اگر قرآنِ حکیم میں سفرِ ہجرت مذکور ہوتا، اور اس کے ساتھ اس رفیقِ سفر کا ذکر شامل نہ ہوتا تو ضرور مقامِ تعجب ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن میں جابجا اپنے قدردان ہونے کا اعلان فرماتے ہیں۔ اگر نبوت کے ایسے رفیق کا ذکر نہ کرتے تو پھر قدردان نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ قدردانی ہی کا کرشمہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے مخالف بھی اس کے ذکرِ خیر سے فارغ نہیں ہو سکتے۔ جو شخص بھی قرآن پڑھتا ہے اور سورۃ توبہ پوری کی پوری تلاوت کرتا ہے، وہ رفیقِ ہجرت کے ذکرِ خیر سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ کوئی دشمنِ رفیقِ ہجرت تلاوتِ قرآن ہی سے بیزاری اختیار کر لے، یا آیتِ غار کے معانی میں تخیلاتِ فاسدہ کو داخل کر دے۔

(۲) دوسرا وقت وہ ہے جبکہ یہ دونوں مسافر اس غار میں مقیم تھے جو "جبلِ ثور" کی چوٹی پر ہے اور مکہ شہر سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ کفارِ مکہ تلاش کرتے کرتے اس غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور پُرنور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ اگر یہ لوگ اپنے پاؤں کی جانب گہری نگاہوں سے دیکھیں تو ضرور ہمیں

دیکھ لیں گے۔ یہ وقت بھی نہایت نازک اور سخت وقت تھا۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو اس وقت امن کے فوت ہوجانے کی وجہ سے غم لاحق ہوگیا اور دل میں خیال آیا کہ دشمن جب اس قدر قریب آچکا ہے تو ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے میں کامیاب ہوجائے۔ واقعی دشمن کا سر پر پہنچ جانا فوتِ امن کا نشان ہے۔ اس موقعہ پر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جیسے عاشقِ صادق کا غمگین ہوجانا ایک لازمی امر ہے۔ اگر اپنی تکلیف کا خیال ہوتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفرِ ہجرت میں شریک ہی نہ ہوتے۔ اس سفر میں اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ہمراہی میں دیدینا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اپنی جان کے چلے جانے کی پرواہ نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے دشمن کے پہنچ جانے کی اطلاع دی تو فرمایا: مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا۔ یعنی اے ابوبکرؓ ان دو ہستیوں کے بارے تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے۔ مُراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ یہ دشمن میرا بال بیکا کرسکتے ہیں نہ تیرا۔ کیونکہ خدا کی امداد ہم دونوں کے ساتھ یکساں ہے۔

اس جواب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کا خیال تھا۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رفیقِ ہجرت کا خیال تھا۔ رفیقِ ہجرت کے دل کی تمنا تھی کہ خدا تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلامت رکھیں اور حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا نصب العین یہ تھا کہ خدا تعالیٰ اس یارِ غار کو سلامت اور محفوظ رکھیں۔ اسی واسطے مرض الوفات میں اسی رفیق کو نماز پڑھانے میں اپنا قائم مقام مقرر کردیا۔ حدیث شریف کا یہ فقرہ قرآنِ حکیم کے ایک فقرہ کا ترجمہ معلوم ہورہا ہے جو لَا تَحْزَنْ کے بعد وارد ہوا ہے۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے۔

تمام اہلِ علم جانتے ہیں کہ معیّتِ خداوندی سے مراد امداد ہے۔ اور یہاں امداد یہ ہے کہ دشمن کے شر سے محفوظ ہوجائیں۔ پس اس آیت کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ خدا تعالیٰ مجھے اور تجھے دشمن کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں رفیقِ ہجرت کی ذات کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو جواب کے لیے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعِيَ۔ کافی تھا۔ جس کا معنی یہ ہوتا کہ مت غم کھا یقیناً خدا میرے ساتھ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ وحی ترجمان سے

Scanned with CamScanner

اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ کا صادر ہونا تھا کہ فی الفور خدا تعالیٰ نے حضرت رفیقِ ہجرت رضی اللہ عنہ کے دل کی بے چینی کو دور کر دیا۔ اور جس طرح کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اطمینان اور تسکین سے معمور تھا۔ اسی طرح حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا دل بھی اطمینان اور تسکین کی منزل بن گیا۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ کا یہی مطلب ہے۔

(۳) تیسرا وقت وہ ہے جبکہ ۲ ھ میں کفارِ مکہ نے مدینہ پر حملہ آور ہونے اور اہلِ مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کا پروگرام بنایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے اطلاع دی تو آپ نے بھی مدافعت کی تیاری کے لیے تین سو تیرہ آدمی مہاجرین اور انصار میں سے انتخاب کیے اور "مقامِ بدر" میں اسلام اور کفر آمنے سامنے آ گئے کفار کی تعداد اور سامانِ جنگ کے مقابلے میں مُسلمانوں کی تعداد اور سامانِ جنگ کچھ نسبت ہی نہیں رکھتے تھے، اگر اس موقعہ پر کسی غیر جانبدار عقلمند سے پوچھا جاتا کہ بتلا تیرے نزدیک فتحمندی مُسلمانوں کو ملے گی یا کافروں کو، تو وہ اپنا فیصلہ کفارِ مکہ کے حق میں دیتا۔ کیونکہ حالات کی سطحی کیفیت اور ظاہری صورت کفر کی فتحمندی کا اعلان کر رہی تھی۔

"بدر" کے میدان میں زمین کا ریتلا حِصّہ مُسلمانوں کو ہاتھ لگا اور کار آمد جگہ پر کفارِ مکہ نے قبضہ کر رکھا تھا۔ اسی طرح پانی پر بھی کفار نے پہلے سے قبضہ کر رکھا تھا۔ اس لیے تمام کے تمام حالات کفار کے حق میں سازگار تھے۔ اس کٹھن اور نازک وقت میں خدا تعالیٰ نے امداد فرمائی کہ بارانِ رحمت عین موقعہ پر نازل ہو گئی۔ ریت جم گئی، حتیٰ کہ اس پر چلنا پھرنا دوڑنا صرف آسان ہی نہ ہوا، بلکہ فرحت بخش ہو گیا۔ اور پانی کی کثرت کی وجہ سے وضو اور غسل اور کپڑے صاف کرنے میں کوئی دقت نہ رہی۔ اور سامانِ جنگ کی قلت اور آدمیوں کی کمی کو فرشتے بھیج کر پورا کر دیا۔ اِسی چیز کو خدا تعالیٰ نے : وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ میں بیان فرمایا۔ اس آیت میں نظر نہ آنے والے لشکر، فرشتوں کے لشکر ہیں۔ جو بدر کے میدان میں خدا تعالیٰ نے مُسلمانوں کی امداد کے لیے نازل فرمائے۔ اور کافروں کی جس بات کو خدا تعالیٰ نے نیچا کر دکھایا وہ وہی بات ہے جو کہ شہر سے نکلتے وقت کفار کی زبان پر تھی کہ اب اسلام اور مُسلمانوں کا خاتمہ کر کے واپس ہوں گے۔ نکلے تھے مُسلمانوں کے ختم کرنے کو اور میدانِ بدر میں سب کچھ ڈبو کے واپس ہوئے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ نیکاں زند

علمائے تفسیر میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کہتی ہے کہ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ کا عطف نَصَرَہُ اللّٰہُ پر ہے اور فَقَدْ کے نیچے ہے۔ راقم الحروف کی تشریح سے آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ اس کو ترجیح دی ہے۔ ؎

ہر کس بخیالے خوش مجنون بجنون
کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْہِمْ فَرِحُوْنَ

طریقِ استدلال: خداوند تبارک و تعالیٰ نے آیتِ غار میں سیدنا صدیقِ اکبر حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کو اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا "ثانی" کہا ہے۔ اس سفر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور معیت کے بیان کے لیے کئی طرح کی عبارت بن سکتی تھی۔ مثلاً : اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَبِیْ بَکْرٍ۔ یعنی آپ کو کافروں نے معہ ابی بکر رضی اللہ عنہ کے نکال دیا۔ اور اسی طرح اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ اَبَابَکْرٍ۔ یعنی کافروں نے آپ کو اور ابوبکرؓ کو نکال دیا۔ وغیرہما۔ پس جائے غور ہے کہ خدا تعالیٰ نے بجائے مشہور نام کے "ثانی اثنین" جیسی عجیب و غریب صفت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیوں موصوف بنایا؟ مجوزہ عبارات میں وضاحت معیت کے ساتھ ساتھ اختصار بھی ہوتا۔ جو مقاصدِ قرآن میں داخل ہے۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام کو ترک کر کے اس کی جگہ پر ایک ایسی صفت کو رکھ دینا جس سے اس کے پہلے دنیا واقف نہ تھی۔ حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اسی حکمت کو دریافت کرنے کے واسطے خدا تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں اپنی صفت "حکیم" درج کر دی، تا کہ لوگ "ثانی اثنین" کی حکمت دریافت کرنے کی جانب توجہ کریں۔ سو اس میں خلافتِ نبوت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ رفیقِ ہجرتؓ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ثانی ہے۔ جس وقت آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس جہانِ فانی سے روانہ ہونے لگیں گے تو اسی رفیقِ ہجرتؓ کو اپنے مصلے پر نماز پڑھانے کے لیے مقرر کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مرضُ الوفات میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جانے سے معذور ہو گئے تو سفر ہجرت کے رفیقؓ کا نام لے کر فرمایا: مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ

Scanned with CamScanner

بِالنَّاسِ۔ میری طرف سے ابوبکرؓ کو کہدو کہ تمام لوگوں کو نماز پڑھایا کرے۔ پس آپؐ کے ارشاد کے مطابق ۲۱ نمازیں زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں کو پڑھائیں۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے امام ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسرے امام ہوئے۔ اس موقعہ پر یوں کہدینا غلط نہ ہوگا کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو بار بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کی تاکید فرما رہے تھے وہ اسی "ثانی اثنین" کی تعمیل کے سلسلہ میں تھی۔ ان ایام میں ایک نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی ہے۔ تو آپؐ نے فوراً ٹوک دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ آئندہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بغیر کوئی نماز نہ پڑھائے۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے بعض نے عرض کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہے وہ اس حالت میں نماز پڑھا نہ سکے گا۔ کسی اور کو حکم دیجئے تو معلوم ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں صاحباتِ یوسفؑ کہہ کر ٹال دیا اور تاکیداً فرمایا کہ نماز ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی پڑھائیں گے۔ ازواجِ مطہراتؓ کی سفارش کو رد کر دینا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت کو ٹوک دینا، ان دونوں باتوں کی وجہ بغیر اس کے کیا ہو سکتی ہے؟ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لفظ "ثانی اثنین" سے جو مفہوم برآمد ہو رہا تھا اس پر عمل پیرا ہو رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرزِ عمل سے آپؐ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تصدیق کر رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ "ثانی اثنین" عقلمندوں کے نزدیک صدیقؓ خلافت کی جانب لطیف اشارہ ہے۔ جس کا دریافت کر لینا اس کا شان تھا۔ جس کے قلبِ مبارک پر قرآن نازل ہوا تھا۔ اور یا پھر ان لوگوں کا وظیفہ تھا جن کے قلوب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب سے نور حاصل کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ہے تو آیتِ غار کا خاص یہی لفظ استدلال میں پیش کیا ہے۔ دیکھو البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۸ سطر ۱۱ : وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ حَدَّثَنِيْ الزُّهْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا بُوْيِعَ اَبُوْبَكْرٍ فِي السَّقِيْفَةِ وَكَانَ الْغَدُ وَجَلَسَ اَبُوْبَكْرٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَقَامَ عُمَرُ فَتَكَلَّمَ قَبْلَ اَبِيْ بَكْرٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ : اِنِّيْ قَدْ كُنْتُ قُلْتُ لَكُمْ مَقَالَةً بِالْاَمْسِ مَا كَانَتْ وَمَا وَجَدْتُهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا كَانَتْ عَهْدًا عَهِدَهَا اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ اَرٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ سَيُدَبِّرُ

آمرنا يَقُولُ يَكُونُ اٰخِرَنَا وَ اِنَّ اللهَ قَدْ اَبْقٰى فِيْكُمْ كِتَابَهُ الَّذِيْ هَدٰى بِهٖ رَسُوْلَ اللهِ فَاِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ هَدَاكُمُ اللهُ لِمَا كَانَ هَدَاهُ اللهُ بِهٖ وَ اِنَّ اللهَ قَدْ جَمَعَ اَمْرَكُمْ عَلٰى خَيْرِكُمْ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ فَقُوْمُوْا فَبَايِعُوْهُ "محمد بن اسحاق کہتا ہے کہ مجھے زہری نے بیان کیا وہ کہتا ہے کہ مجھ سے انس بن مالکؓ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت سقیفہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی اور دوسرا دن ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجدِ نبویؐ میں منبرِ نبیؐ پر تشریف لے گئے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے پہلے عمرؓ نے کھڑے ہو کر خدا کی حمد و ثنا کی۔ اور فرمایا کہ اے لوگو! گذشتہ روز میں نے ایک بات کہی تھی جو صحیح نہ تھی۔ وہ بات مجھے نہ تو خدا کی کتاب میں ملی اور نہ ہی وہ بات مجھے آنحضور ﷺ نے تعلیم کی تھی۔ وہ میری اپنی رائے تھی کہ خدا کے رسول ﷺ ہم سے بعد زندہ رہیں گے۔ مراد یہ ہے کہ ہم آپ سے پہلے مریں گے اور تحقیق خدا تعالیٰ نے تمہارے اندر اپنی کتاب باقی رکھی ہے، جسکے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت کی تھی۔ پس اگر تم لوگ اس کتاب کو مضبوط پکڑو گے تو تمہیں بھی خدا تعالیٰ اسی طرح ہدایت دے گا جس طرح اپنے رسول کو ہدایت دی تھی، اور تحقیق خدا تعالیٰ نے تمہارے حکومت کے کام کو ایک ایسے شخص پر جمع کر دیا ہے جو تم سب میں سے بہتر ہے، اور خدا کے رسول ﷺ کا رفیق ہے، اور "ثانی اثنین" ہے۔ جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔ پس کھڑے ہو جاؤ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو"۔

اس حدیث میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے "ثانی اثنین" کو بطورِ حجت اور بطریقِ استدلال پیش کیا ہے۔ اور چونکہ صحابہ کرامؓ کے مجمع میں سے کوئی شخص ایسا نہ اٹھا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس استدلال کی تردید کی ہو۔ اس لیے اس بات پر اجماع منعقد ہو گیا کہ آیتِ غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف لطیف اشارہ موجود ہے۔ تصریح نہ تھی۔ اس لیے ہر کسی کا خیال ادھر نہ آیا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا تو پھر سب کی سمجھ میں خلافت کی بات آ گئی۔

بخاری شریف مطبوعہ اصح المطابع دہلی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۲ سطر ۱۱ پر حضرت عمر بن خطابؓ کا ارشاد یوں درج ہے: وَاِنَّ اَبَابَكْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللهِ وَثَانِي اثْنَيْنِ وَاِنَّهٗ اَوْلَى الْمُسْلِمِيْنَ

بِاُمُوْرِکُمْ فَقُوْمُوْا فَبَایِعُوْہُ۔ "اور بتحقیق ابوبکرؓ خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق اور ثانی اثنین ہے۔ اور واقعی وہ سب سے زیادہ حکومت کا تمھاری حق دار ہے۔ پس اٹھو اور بیعت کر لو"۔

بخاری شریف کی اس روایت میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "ثانی اثنین" تسلیم کیا ہے۔ اور اس سے خلافت پر استدلال فرمایا ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے بھی اپنی کتاب شرح نہج البلاغۃ جلد اول جزو ششم صفحہ ۲۸۵ پر اس چیز کو لکھ دیا ہے۔ فَقَالَ عُمَرُ وَ اَبُوْعُبَیْدَۃَ مَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِنَ النَّاسِ اَنْ یَکُوْنَ فَوْقَکَ اَنْتَ صَاحِبُ الْغَارِ ثَانِیَ اثْنَیْنِ وَ اَمَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ بِالصَّلٰوۃِ فَاَنْتَ اَحَقُّ النَّاسِ بِھٰذَا الْاَمْرِ

"حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس وقت کوئی شخص تم پر فائق نہیں ہے۔ اس لیے کہ تو صاحبِ غار ہے۔ "ثانی اثنین" ہے۔ اور خدا کے رسُول نے تجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ پس تو ہی تمام لوگوں سے زیادہ اس حکومت کا حق دار ہے"۔

نوٹ اب تو ناظرینِ کرام کی تسلی ہو گئی ہو گی کہ قرآنی لفظ "ثانی اثنین" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صفت ہے۔ اور آپؓ کی خلافت کی دلیل ہے۔ اور تمام صحابۂ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہے۔

○

ثانی اثنین کی نحوی بحث

بعض مُفسّرین نے "ثانی اثنین" کی نصب کو حال کے طور پر حل کیا ہے۔ اور اس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بنایا ہے۔ مگر یہ چیز دو وجہ سے غلط ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کو اول بنانا اور حضورِ پُر نور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ثانی یعنی دوسرا بنانا محاورہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ آقا و غلام ایک جگہ پر اکٹھے ہوں تو ہر کوئی شمار کے وقت آقا کو اول اور غلام کو ثانی یعنی دوسرا کہے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر نصب حالیہ بنائی جاوے تو "ثانی اثنین" حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعُبیدہ بن الجراحؓ کے ارشادات اس باب میں نقل کیے جا چکے ہیں۔ کہ "ثانی اثنین" ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور قرآن کی تفسیر میں اقوالِ صحابہؓ حُجت ہوا کرتے ہیں۔ جب حضرت عمر اور حضرت ابوعُبیدہ رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر

Scanned with CamScanner

رضی اللہ عنہ کو "ثانی اثنین" کا مصداق تسلیم کر لیا تو نصب علی الحالیۃ کی کوئی وجہ باقی نہ رہی۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا "ثانی اثنین" ہونا اور نصب بنا بر حال بنانا ایک دوسرے کی ضد ہیں اگر نصب بنا بر حال بنائی جائے تو حضرت ابوبکر "ثانی اثنین" نہیں بن سکتے اور اگر حضرت ابوبکر کو "ثانی اثنین" تسلیم کیا جائے تو نصب علی الحالیۃ ممکن نہیں۔ اس لیے ناچار ہمیں کہنا پڑا کہ حسبِ ارشاداتِ صحابہ کرامؓ حضرت ابوبکرؓ "ثانی اثنین" ہیں۔ اور نصب علی الحالیۃ غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ کی تغلیط اور تخطیہ کی نسبت سے مفسرین کا تخطیہ آسان ہے۔ اب ہم ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو "ثانی اثنین" تسلیم کیا ہے۔ دیکھو روح المعانی جلد نمبر ۱۰ و صفحہ ۹۷: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِحَسَّانٍ هَلْ قُلْتَ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ رضی اللہ عنہ شَیْئًا قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ قُلْ وَ اَنَا اَسْمَعُ فَقَالَ حَسَّانُ رضی اللہ عنہ ؎

وَ ثَانِیَ اثْنَیْنِ فِی الْغَارِ الْمُنِیْفِ
وَ قَدْ طَافَ الْعَدُوُّ بِہٖ اِذْ صَاعَدَ الْجَبَلَا
وَ کَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَدْ عَلِمُوْا
مِنَ الْبَرِیَّۃِ لَمْ یَعْدِلْ بِہٖ رَجُلَا

وَضَحِکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ ثُمَّ قَالَ صَدَقْتَ یَا حَسَّانُ هُوَ کَمَا قُلْتَ۔ "آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے خاص شاعر حسان رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تو نے ابوبکرؓ کے حق میں کچھ شعر کہے ہیں؟ جواب دیا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہیے میں سننا چاہتا ہوں۔ پس حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ دو شعر کہے، جن کا ترجمہ یوں ہے: "وہ ابوبکرؓ اس بلند غار میں "ثانی اثنین" تھا۔ درحالیکہ دشمن اس پہاڑی پر چڑھ کر اس غار پر چکر لگا رہا تھا اور وہ ابوبکرؓ خدا کے رسولؐ کا محبوب تھا۔ سب جانتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق میں سے کسی مرد کو اس کے برابر نہیں جانا"۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار سن کر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنسے۔ یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک دکھائی دینے لگے۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے حسانؓ تو نے سچ کہا۔ وہ ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا ہے"۔

Scanned with CamScanner

اس حدیث میں اس کے ترجمے میں غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "ثانی اثنین" کہا۔ اور جس ذاتِ پاک پر قرآن نازل ہوا تھا اس نے تصدیق فرمائی۔ ان شہادات کے بعد بھی اگر کوئی شخص ایسا ہے جو رفیقِ ہجرتؐ کے "ثانی اثنین" ہونے میں شک کرتا ہے تو وہ ضدی ہے۔ طالبِ حق نہیں ہے۔ ایک ہندی شاعر نے بھی کہا تھا۔ ؎

ثانی اثنینؓ ہے اللہ کا شیدائی ہے
مر کے بھی پہلوئے احمدؐ میں جگہ پائی ہے

○

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آیتِ غار میں "ثانی اثنین" چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صفت ہے۔ اس لیے اس کی نصب حال ہونے پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ منصوب بِنَزْعِ الْخَافِضِ ہے۔ یعنی حرفِ جر کو گرا دینے کی وجہ سے "ثانی اثنین" کی درمیانی یا پر زبر آئی ہے۔ کلامِ عرب میں اس قسم کی نصب عام ہے۔ جیسا کہ خود قرآن میں ہے: وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَہٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا۔ یعنی "موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے وعدہ کے لیے اپنی قوم سے ستر آدمی چن لیے"۔ تمام اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس آیت میں قَوْمَہٗ پر نصب اس لیے آئی ہے کہ اس کی ابتدا میں سے ایک حرفِ جر گرا دیا گیا ہے۔ معنے کے اعتبار سے عبارت اس طرح ہے: وَاخْتَارَ مُوْسٰی مِنْ قَوْمِہٖ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا۔ محاورہ میں من کو گرا دیتے ہیں اور مجرور کو منصوب پڑھتے ہیں مفعول فیہ اور مفعول لہٗ کی نصب بھی اسی قسم کی ہے۔ جیسا کہ ابن حاجبؒ کی کتاب "کافیہ" سے ظاہر ہے۔ پس جس طرح قَوْمَہٗ کی میم پر زبر مِنْ کے گرا دینے کی وجہ سے آئی ہے۔ اسی طرح "ثانی اثنین" کی یا پر نصب بائے جارہ کے گرا دینے سے آئی ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی: اِذَا خَرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِثَانِیْ اثْنَیْنِ "اس طرح ہوگا جس وقت کہ آپؐ کو کافروں نے ثانی سمیت شہر سے نکال دیا تھا"۔

نوٹ میں ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہوں کہ اپنے دل کی بات نہایت آسان عبارت میں ممبرانِ "الفاروق" (قارئینِ ثانی اثنینؓ) کی خدمت میں پیش کروں۔ مگر مندرجہ بالا بحث

Scanned with CamScanner

میں نحوی اصطلاحات کے استعمال سے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا۔ اس لیے بامر مجبوری اصطلاحاتِ نحویہ کو استعمال کیا امید ہے کہ قارئینِ کرام جریدہ فریدہ "الفاروق" (ثانی اثنین نمبر) اس چیز کو محسوس نہ کریں گے۔ اور کسی اہلِ علم سے رجوع کرنے میں تامل نہ کریں گے۔

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیتِ غار میں جو آں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ساتھی سے فرمایا: لَا تَحْزَنْ تو یہ غم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بچ جانے کا تھا وہ ساتھی چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کو کفار پکڑلیں۔ اور مارڈالیں جب اس نے دیکھا کہ کافر واپس جارہے ہیں تو سخت غمگین ہوا اس پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غم نہ کھا، وجہ اس کی یہ ہے کہ نہی کا صیغہ گناہوں اور معاصی سے باز رکھنے کے لیے آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں جس حزن واندوہ سے روکا جارہا ہے۔ وہ کوئی گناہ کی بات ہے۔ پس یہ فقرہ اس رفیق کی مذمت کے لیے کافی ہے۔

جواب نہی ہمیشہ گناہوں سے روکنے کے لیے نہیں آتی بلکہ کبھی مخاطب پر شفقت کے لیے بھی آتی ہے۔ یہاں بھی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازراہِ شفقت اپنے رفیق کو فرمارہے ہیں کہ غمگین نہ ہونا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اگر معترض کے گمان کے مطابق تسلیم کرلیا جائے کہ نہی ہمیشہ گناہوں پر آتی ہے تو یہی صیغہ انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں آیا ہے۔ کیا انھیں بھی گنہگار مان لیں گے؟ دیکھو سورۂ عنکبوت پارہ ۲۰ آخر رکوع وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ یعنی فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا خوف نہ کر اور غم نہ کھا۔ تو کیا حضرت لوط علیہ السلام گناہ میں مبتلا ہوگئے تھے؟ اسی طرح سورۂ قصص پارہ ۲۰ رکوع اول میں حضرت والدہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي یعنی تو کچھ خوف نہ کر اور غم نہ کھا۔ اسی طرح سورۂ نحل پارہ نمبر ۱۴ آخری رکوع میں آں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ یعنی ان پر غم نہ کھاؤ تو کیا آں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کسی گناہ کے مرتکب ہورہے تھے یا امکان تھا؟ سچ ہے۔ ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

○

ایک نکتہ : سورۂ براءت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایک فضیلت بیان کی گئی ہے، جو آیتِ غار میں مذکور ہے۔ اگر اس موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سورۂ براءت کی تبلیغ کرتے تو اپنی زبان سے اپنی تعریف کے مشابہ ہوتی۔ اس لیے خداوند علیم و حکیم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قریبی رشتہ دار کو حکم دیا کہ وہ اس سورت کی مجامع حج میں تبلیغ کرے۔ چنانچہ بحکم رسولِ خدا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس سورت کی ایسی تبلیغ کی جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔

مرضِ وفات نبی ﷺ اور امامتِ ابوبکرؓ

۱۱ ہجری کے ماہ صفر کی ۲۸ ویں تاریخ کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بیمار ہوئے۔ چونکہ اس بیماری سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جاں بر نہ ہو سکے تھے۔ اس لیے اس کو مرضِ وفات کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے جب تک آپ کے جسمِ مبارک میں طاقت تھی خود مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے رہے لیکن جب بدنی طاقتوں نے جواب دیدیا تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامتِ نماز کا حکم دیا عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائی ہیں۔ مگر سیرت نگار حضرات میں سے جو صاحبِ تحقیق ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ۲۱ نمازیں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بحکم پیغمبر لوگوں کو پڑھائی ہیں۔ ان ہی نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں افاقہ کے رونما ہو جانے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں پہلو میں بیٹھ کر تمام لوگوں کو خود نماز پڑھائی ہے۔ اس صورت میں حضور امام بن گئے ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقتدی بن گئے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جہر سے نماز پڑھا رہے تھے۔ اس لیے آپ نے قرارت وہاں سے شروع کی جہاں تک صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پہنچ چکے تھے۔ اور ان ہی نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ اٹھا کر مسلمانوں کی جماعت کا نظارہ کیا ہے۔ اور قلبی خوشی کے سبب سے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے ہیں۔ اور نبوی تجلی سے صفیں درہم برہم ہونے کو تھیں کہ پردہ ڈال دیا۔ اور آپ ﷺ واپس بستر شریف پر تشریف لے گئے۔ اور ان ہی نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف جا کر جماعت میں شامل ہوئے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بدستور امام جماعت رہے ہیں۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ مطبوعہ قاہرہ جلد ۵ صفحہ ۲۳۴ پر مرقوم ہے :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کتبِ احادیث کے آئینے میں

حدیث ۱ دیکھو شرح نہج البلاغۃ از ابن میثم بحرانی صفحہ ۴۸۶ مطبوعہ تہران سطر ۶ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں : وَ كَانَ اَفْضَلَهُمْ فِي الْاِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ وَ اَنْصَحَهُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ الْخَلِيْفَةُ الصِّدِّيْقُ وَ خَلِيْفَةُ الْخَلِيْفَةِ الْفَارُوْقُ وَلَعَمْرِيْ اِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ لَعَظِيْمٌ وَ اِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجُرْحٌ فِي الْاِسْلَامِ شَدِيْدٌ يَرْحَمُهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا۔ "اے معاویہؓ جیسا کہ تونے کہا واقعی اسلام کے اندر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ صدیقؓ اور اس کا خلیفہ فاروقؓ سب سے افضل تھے۔ اور سب سے زیادہ خدا اور رسول کے خیر خواہ تھے۔ اور میں اپنی زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان دونوں کا درجہ اسلام میں بہت بڑا درجہ ہے۔ اور بہ تحقیق ان دونوں پر مصائب آئیں تو اسلام میں زخم کاری آتا ہے۔ خدا ان دونوں پر رحمت کرے اور ان کے نیک کاموں کا بدلہ دے"۔

نوٹ اس مکتوب شریف میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جن باتوں کا اقرار فرمایا ہے زمانۂ حال کے مدعیانِ تولائے علیؓ ان کے ماننے سے قاصر ہیں۔ پانچ باتیں اس مکتوب شریف کا طرۂ امتیاز ہیں :

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ برحق تھے۔

② حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں سے افضل تھے۔

③ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خدا و رسول کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے۔

④ دینِ اسلام کے اندر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا درجہ بہت بلند تھا۔

⑤ دینِ اسلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں کامل اتحاد تھا۔ یہاں تک کہ ایک کا نقصان دوسرے کا نقصان تھا۔

مندرجہ بالا پانچ باتوں کا اقرار کرنے کے بعد دعاءِ رحمت کا ہدیہ بھیجا پس انصاف اور دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جو کہ حضرت علیؓ کے نام لیوا اور عقیدتمند ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں مندرجۂ مکتوب پانچ حقیقتوں کا کھلے دل سے اقرار کریں۔ اور شب و روز شکریہ کے طور پر ہدیۂ رحمت بھیجا کریں۔ مگر کیا کیا جائے اور کیا لکھا جائے اور ابنائے زمانہ کی

Scanned with CamScanner

شکایت کس کے سامنے رکھی جائے کہ جس ہستی کے ذکر کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہدیۂ رحمت بھیجتے تھے۔ آج کل کے عاشق صادق اس ہستی پر رحمت کی ضد استعمال کرتے ہیں اور اس کام کو بہشت میں داخل ہونے کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ ؎

بہیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

سوال بعض لوگ اس موقع پر لفظ کَمَا زَعَمْتَ کی آڑ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے عقائد اس طرح پر نہ تھے۔ آپ نے تو امیر معاویہؓ کے زعم باطل کو بیان فرمایا ہے۔

جواب ۱ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپؓ کا یہ مکتوب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک مکتوب کا جواب ہے جو مندرجہ بالا صفحہ سے پہلے صفحہ پر مرقوم ہے۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مکتوب شریف میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپؓ حضرت امیر معاویہؓ کے مکتوب کی بعض چیزوں کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اور بعض چیزوں کی تردید فرما رہے ہیں دیکھو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے مکتوب میں حسد کا ذکر کیا ہے۔ مگر حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے حسد نہیں کیا۔ نیز امیر معاویہؓ نے بیعت سے تخلف کا ذکر کیا ہے مگر حضرت علیؓ نے اس کی بھی تردید کر دی ہے۔ حضرات شیخین کی افضلیت قابلِ تردید نہ تھی۔ اس لیے تصدیق کر دی۔ بلکہ جوابی مکتوب میں جو لفظ کَمَا زَعَمْتَ تحریر فرمایا ہے۔ تو اس سے غرض یہ ہے کہ اے معاویہ شیخین کی افضلیت کا جو یقین مجھے حاصل ہے وہ تجھے حاصل نہیں ہے۔ تیرے پاس تو گمان ہی گمان ہے۔ اور تیرے علم کو ظن کہنا مناسب ہے۔ ان کی افضلیت کا یقین ہمارے پاس ہے۔ اسی واسطے میں ان کے طریق اور روش پر مضبوطی سے قائم ہوں اور تم ان کے طریق پر عمل پیرا نہیں ہو۔

جواب ۲ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مکتوب میں صدیق اور فاروق دونوں القاب موجود نہیں ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اضافہ کیا ہے۔ یہ اضافہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضلیت کے عقیدہ میں امیر معاویہؓ سے بہت آگے ہیں۔ اور اگر ناظرینِ "الفاروق" (ثانی اثنینؓ نمبر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جملہ قسمیہ اور اس کے دونوں جواباتِ قسم کو

غور سے دیکھیں گے، تو انہیں اس بات کا حق الیقین ہو جائے گا کہ افضلیت کا عقیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا خاص عقیدہ ہے۔ مکتوب الیہ کی ترجمانی یا الزام کے قبیل سے نہیں۔ کیونکہ حضرت امیر معاویہؓ کے مکتوب میں جملہ قسمیہ اور اس کے دونوں جوابات سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔

حوالہ ۲ حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد اول جزو ششم صفحہ ۲۹۵ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو: ثُمَّ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ بَعْدِهٖ اِسْتَخْلَفُوْا اَمِيْرَيْنِ مِنْهُمْ صَالِحِيْنَ فَعَمِلَا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاَحْسَنَا السِّيْرَةَ وَلَمْ يَعْدُوَا السُّنَّةَ ثُمَّ تُوُفِّيَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى۔ "پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے دو بزرگوں کو خلیفہ مقرر کیا جو نہایت نیک کردار تھے۔ پس ان دونوں نے قرآن و سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا اور طرزِ حکومت کو خوبصورت بنایا۔ اور طریقۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا۔ اس کے بعد فوت ہوئے۔ خدا تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمت نازل کرے"۔

نوٹ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے اس مکتوب شریف میں بھی پانچ باتوں کا اعتراف کیا ہے:

(۱) تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اجماع مکمل ہوا تھا۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صالح تھے۔ صلاحیت دو قسم ہے ایک خود نیکوکار ہونا۔ دوسرے خلافت کے لائق ہونا۔ یہ صفت دونوں قسموں کو شامل ہے۔

(۳) قرآن و حدیث پر آپؓ نے عمل کیا۔ اور عمل جبھی ہو سکتا ہے کہ علم ہو۔ پس اس فقرہ میں حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قرآن و حدیث کے عالم ہونے کا اقرار فرمایا ہے۔

(۴) صدیقی طرزِ حکومت نہایت اچھی تھی۔ پس جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلاف کرتے ہیں۔

(۵) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

نے سیرتِ شیخین رضی اللہ عنہما پر عمل پیرا ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ بالکل غلط ہو گیا۔ کیونکہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اقرار کر رہے ہیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما نے سُنّتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا تھا۔ تو پھر سیرتِ شیخین اور سنت رسُول ایک ہی چیز ہو گئی اور ایک کے انکار کو دوسری کا انکار لازم ہو گیا۔ اس صورت میں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سیرتِ شیخین رضی اللہ عنہما کا انکار کرتے ہیں۔ تو سُنّتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار بلا توقف لازم آتا ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جس کا تصور بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدت مند کے واسطے سوہانِ روح سے کم نہیں۔

حدیث ۳ دیکھو ناسخ التواریخ جلد سوم از کتاب دوم صفحہ ۲۴۱ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ایک خطبے کا ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے: ثُمَّ اسْتَخْلَفَ النَّاسُ اَبَابَکْرٍ ثُمَّ اسْتَخْلَفَ اَبُوْبَکْرٍ عُمَرَ وَاَحْسَنَا السِّيْرَةَ وَعَدَلَا فِي الْاُمَّةِ "پھر تمام لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا۔ اس کے بعد ابوبکرؓ نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا۔ ان دونوں نے طرزِ حکومت کو نہایت اچھا بنایا۔ اور امت میں انصاف اور عدالت کو قائم کیا"۔

نوٹ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس خطبے میں دو باتوں کا اقرار کیا:

(۱) ایک تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طرزِ حکومت کی اچھائی کا۔ اور

(۲) دوسرے امت میں عدالت قائم کرنے کا۔ اگر کوئی شخص ان دونوں باتوں میں غور کرے تو مطاعنِ ابوبکرؓ کی حقیقت سے واقف ہو سکتا ہے۔

حدیث ۴ دیکھو حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد اول جزو ششم صفحہ ۲۹۳: وَقَالَ عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ مَاغَضِبْنَا اِلَّا فِي الْمَشْوَرَةِ وَاِنَّا لَنَرٰى اَبَابَکْرٍ اَحَقَّ النَّاسِ بِهَا اِنَّهٗ لِصَاحِبِ الْغَارِ وَثَانِيَ اثْنَيْنِ وَاِنَّا لَيَعْرِفُ لَهٗ سِنَّهٗ وَلَقَدْ اَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِالصَّلٰوةِ وَهُوَ حَيٌّ "حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہماری شکر رنجی محض مشورہ کی وجہ سے ہے۔ اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ اس لیے کہ وہ صاحبِ غار اور "ثانی اثنین" ہیں۔ اور یقیناً وہ عمر میں بھی بڑے ہیں۔ اور تحقیق ہے کہ خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا"۔

Scanned with CamScanner

نوٹ اس حدیث سے اس شکر رنجی کی وجہ واضح ہو گئی۔ جو بعض روایات میں آئی ہے اور جس کو بعض لوگ بڑے طمطراق سے عوام میں بیان کرتے رہتے ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اس ناراضگی کی وجہ اپنا استحقاقِ خلافت ہے۔ الحمد للہ کہ خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے واضح کر دیا کہ ہماری شکر رنجی اس واسطے نہیں کہ ہم خلافت کے مستحق ہیں۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے اہل نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے مشورے کے بغیر انتخابِ خلیفہ کیوں ہوا ہے؟ انتخابِ خلیفہ کے وقت ہم بھی موجود ہوتے۔ اور سب سے پہلے بیعت کرنے والے ہم ہوتے۔ اس چیز کے فوت ہو جانے کا غم تھا۔ جو حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کے ملالِ خاطر اور شکر رنجی کا باعث تھا۔ اسی چیز کو واضح کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ہم خلافت کا حق دار ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانتے ہیں۔ اور دو عدد گواہ بھی پیش کر دیے۔

(۱) **پہلا گواہ:** اس صفت کو بنایا جو آیتِ غار میں خدا تعالیٰ نے "ثانی اثنین" کی صورت میں نازل فرمائی۔

(۲) **دوسرا گواہ:** اس امامتِ نماز کو بنایا۔ جو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ ﷺ کی زندگی میں عمل میں آئی۔

حدیث ۵ دیکھو صحیفہ علویہ مطبوعہ نجف اشرف صفحہ ۷۲ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خدا تعالیٰ کے دربار میں اپنے عقائدِ حقہ پیش کر کے دعا مانگ رہے ہیں: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْهَدُكَ وَكَفٰی بِكَ شَهِیْدًا فَاشْهَدْ لِیْ اَنَّكَ رَبِّیْ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وآلہ رَسُوْلُكَ نَبِیِّیْ وَالْاَوْصِیَاءَ مِنْ بَعْدِهٖ اَئِمَّتِیْ "خدایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں اور تیری گواہی کافی ہوتی ہے۔ پس تو اس بات پر گواہ ہو جا کہ تو میرا رب ہے، اور اس بات پر بھی گواہ ہو جا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ تیرا رسول ہے وہ میرا پیغمبر ہے۔ اور اس بات پر بھی گواہ ہو جا کہ آپ کے بعد جو جانشین ہوئے ہیں وہ میرے امام ہیں"۔

نوٹ اس حدیث میں جہاں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خدا تعالیٰ کے رب ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کا اقرار کیا ہے وہاں آپ ﷺ کے جانشینوں کو اپنا امام تسلیم کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان جانشینوں میں پہلا نمبر سیدنا حضرت صدیقِ اکبر ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ پس ان کو بھی امام تسلیم کر لیا گیا۔ میرے خیال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق کی

تعریف کی انتہا کر دی ہے کہ وصیِ نبیؐ اور امامِ خلق تسلیم کر لیا۔

سوال بعض لوگ اس استدلال کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس دعا میں جانشینوں سے مراد وہ گیارہ امام ہیں۔ جو حضرت علیؑ کی نسل سے ہوئے ہیں۔

جواب ۱ وہ گیارہ امام چونکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بعد ہوئے ہیں۔ اس لیے مِنۢ بَعْدِہٖ کی جگہ پر مِنۢ بَعْدِیْ ہونا چاہیے تھا۔ ضمیر غائب محاورۂ عرب کے خلاف ہے۔ پس ضمیر غائب کا وجود اس جواب کو بے کار کر رہا ہے۔

جواب ۲ اس دعا میں لفظ اَئِمَّہ کی اضافت یائے متکلم کی طرف اعلان کر رہی ہے کہ وہ جانشین گیارہ امام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حضرت علیؑ ان کے امام ہیں اور وہ مقتدی ہیں۔ کوئی عقلمند آدمی یوں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گیارہ بیٹے آپ کے امام ہیں۔ اور آپ ان کے مقتدی ہیں۔

حدیث ۶ دیکھو حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ کسی شخص نے حضرت امام باقرؒ سے پوچھا: جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاكَ اَرَئَیْتَ اَبَابَکْرٍ وَّ عُمَرَ ھَلْ ظَلَمَاکُمْ مِنْ حَقِّکُمْ شَیْئًا اَوْ قَالَ ذَھَبَا مِنْ حَقِّکُمْ بِشَیْءٍ فَقَالَ لَا وَالَّذِیْ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا مَا ظَلَمْنَا مِنْ حَقِّنَا مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ جُعِلْتُ فِدَاكَ اَفَاَتَوَلَّاھُمَا قَالَ نَعَمْ وَیْحَكَ تَوَلَّاھُمَا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَمَا اَصَابَكَ فَفِیْ عُنُقِیْ ثُمَّ قَالَ فَعَلَ اللّٰہُ بِالْمُغِیْرَۃِ وَ بُنَانٍ فَاِنَّھُمَا کَذَبَا عَلَیْنَا اَھْلَ الْبَیْتِ۔ ”خدا مجھے آپ پر قربان کرے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے بتلائیے کیا انھوں نے آپ لوگوں کے حقوق میں سے کوئی چیز چھین لی ہے؟ حضرت امام نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اس کی قسم جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا۔ تاکہ تمام جن و انس کے لیے ڈرانے والا ہو۔ ہمارے حقوق میں سے رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز نہیں لی گئی۔ پوچھنے والے نے عرض کی کیا میں ان دونوں سے دوستی رکھوں؟ حضرت امامؒ نے فرمایا ہاں! اے میرے پیارے ان دونوں سے دنیا و آخرت میں دوستی رکھ۔ اور اگر اس کی وجہ سے تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو وہ میری گردن پر۔ مراد یہ ہے کہ میں دنیا و آخرت میں ذمہ دار ہوں۔ اس کے بعد حضرت امامؒ نے فرمایا خدا تعالیٰ مغیرہ اور بنان کو ہلاک کرے۔ کیونکہ

ان دونوں نے ہم اہلِ بیت پر جھوٹ باندھے ہیں"۔

نوٹ حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس حدیث میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پاک دامنی کس وضاحت سے بیان کی گئی ہے۔ سوال کرنے والا وہ شخص ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حُسنِ ظن نہیں رکھتا۔ اس کے دل میں ان کی کوئی عزت نہیں ہے۔ اس سوءِ ظن کی وجہ وہ خود بیان کرتا ہے کہ ابوبکرؓ نے آپؒ کے حقوق غصب کر لیے تھے۔ حضرت امام باقرؒ نے قرآن اتارنے والے کی قسم کھا کر جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے۔ ابوبکرؓ نے ہمارے حقوق میں سے کوئی ادنیٰ حق بھی غصب نہیں کیا۔ خدا کی قسم ہی کافی تھی، مگر آپؒ نے قرآن کے نزول کا ذکر اس لیے فرمایا کہ یہ سچائی میں ضرب المثل ہے اور اس طریق سے آپؒ سائل کے دل سے بُغضِ صدیق رضی اللہ عنہ کو دور کرنا چاہتے تھے۔ خدا کو ہی معلوم ہے کہ اس سائل کے دل سے بلا دور ہوئی یا نہ۔ مگر حقیقت ہے کہ حضرت امامؒ نے سائل کے دل کی صفائی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ بھلا اس سے زیادہ کیا ہو سکتا تھا کہ جو گناہ ہو گا وہ میری گردن پر ہو گا۔ آخر میں حضرت امامؒ نے وہ راز کھول دیا جو سائل کے علم میں نہ تھا۔ فرمایا کہ اس قسم کی روایات مُغیرہ اور بنان کے ذریعہ سے پھیل رہی ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں ہم پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

حدیث ۷ دیکھو حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد اول جزو ششم صفحہ ۲۹۱ ایک اعرابی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اَلَسْتَ اَمَرْتَنِیْ اَنْ لَّا اَتَاَمَّرَ عَلَی اثْنَیْنِ قَالَ بَلٰی قَالَ فَمَا بَالُكَ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ لَمْ اَجِدْ لَهَا اَحَدًا غَیْرِیْ اَحَقَّ مِنِّیْ قَالَ ثُمَّ رَفَعَ اَبُوْجَعْفَرٍ الْبَاقِرُ یَدَیْهِ وَخَفَضَهُمَا فَقَالَ صَدَقَ صَدَقَ۔ "کیا تو نے مجھ سے کہا نہیں تھا؟ کہ دو آدمیوں پر بھی حاکم نہ بنوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں میں نے اسی طرح کہا۔ پس اعرابی نے کہا کہ پھر تو کیوں حاکم بن بیٹھا؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ ہاں حکومت اس لیے قبول کی کہ میرے بغیر کوئی شخص اس کے لائق نہ تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اس موقع پر پہنچے تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور فرمایا کہ ابوبکرؓ نے سچ کہا ابوبکرؓ نے سچ کہا"۔

نوٹ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی ہیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ کے

Scanned with CamScanner

جواب پر پہنچے ہیں تو اس کی تصدیق کے لیے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر دیے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صداقت پر گواہ بنا لیے ہیں پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا کہ پیغمبر کی خلافت کے لیے کوئی شخص مجھ سے زیادہ لائق نہ تھا۔ حضرت امام محمد باقرؓ نے اس بات کی سچائی پر خدا کو گواہ بنایا اور افضلیتِ صدیق رضی اللہ عنہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

حدیث ۸ ملاحظہ کیجیے حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد ۱ جزو ششم صفحہ ۲۹۱ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوسفیانؓ سے خطاب کیا: اَمْسِكْ عَلَيْكَ فَاِنَّا رَاَيْنَا اَبَابَكْرٍ لَهَا اَهْلاً "اے ابوسفیانؓ اس بات سے باز رہ اس لیے کہ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لائق جانا ہے"۔

نوٹ ابوسفیان صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دے رہے تھے کہ آپ خلافت کے لیے کھڑے ہو جائیں، میں آپ کی ہر ممکن طریق سے امداد کروں گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ۔ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لائق جان کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

حدیث ۹ ملاحظہ فرمایئے حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد ۱ جزو دوم صفحہ ۴۷ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: لَوْلَا اَنَّا رَاَيْنَا اَبَابَكْرٍ لَهَا اَهْلاً لَمَا تَرَكْنَاهُ۔ "اگر ہم ابوبکرؓ کو خلافت کے لائق نہ جانتے تو اسے اس مقام پر ہرگز نہ چھوڑتے"۔

نوٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہادری اور شجاعت کا تقاضا یہی ہے جو آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اکراہ اور اضطرار اور مجبوری سب آپ کے شان کے مناسب نہیں ہیں۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ مدعیانِ محبت کو معرفت عطا کرے۔ آمین یا رب العالمین۔

حدیث ۱۰ تاریخ کی مشہور و معروف کتاب مجالس المومنین مطبوعہ تہران صفحہ ۸۸ سے مطالعہ کریں۔ حضورِ پُر نور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے صحابۂ کرامؓ کے مجمع میں ہمیشہ فرمایا کرتے تھے: مَاسَبَقَكُمْ اَبُوْبَكْرٍ بِصَوْمٍ وَّلَا صَلٰوةٍ وَّلٰكِنْ بِشَيْءٍ وَقَرَ فِيْ صَدْرِهٖ "تم لوگوں سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو ترقی کی ہے تو وہ نماز و روزہ کی وجہ سے نہیں کی۔ لیکن وہ تو ایک ایسی چیز کی وجہ سے ہے جس سے اس کا دل بھرا ہوا ہے"۔

قاضی نور اللہ صاحب شوستری بڑے محقق اور سخت متعصب گذرے ہیں۔

وہ اپنی مندرجہ بالا کتاب میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ حدیث ایسی ہے جس کو آں حضور ﷺ ہمیشہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث کے صحیح اور مستند ہو جانے کے بعد اس کے معنے اور مقصود میں کلام کرنا چاہیے۔ سو راقم الحروف کے نزدیک اس حدیث میں جس چیز سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل کو بھرا ہوا بتلایا گیا ہے۔ وہ معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ ہے۔ جیسا کہ علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے۔ ؎

پروانے کو ہے چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

مطلب یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز و روزہ کی وجہ سے تم لوگوں پر سبقت نہیں لے گئے۔ بلکہ وہ تو اس عشق اور معرفت کی وجہ سے تم پر سبقت لے گئے ہیں جس سے ان کا دل لبریز ہے۔ اس حدیث میں سبقت سے مُراد وہ عزت ہے جو سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو خُدا کے رسول ﷺ کے یہاں تھی۔ آں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمام صحابہؓ پر واضح کر دیا کہ میرے یہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عزت معرفتِ الٰہی کی وجہ سے ہے۔ جس سے اس کا دل بھرپور ہے۔ قلبِ صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں غیر اللہ کے لیے کچھ گنجائش ہو۔ حافظ شیرازیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

خانۂ خالی نما تا منزلِ جاناں شود
کیں ہوسناکاں دل و جاں جائے دیگر می کنند

بعض علماء نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حبِ ریاست یعنی سردار بننے کی محبت سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل بھرا ہوا تھا۔ مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ جس وقت اور جن حالات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مال و جان خدا کی راہ میں قربان کیے ہیں اور آبا و اجداد کے اموال اور جائداد اور وطنِ عزیز سے اپنے آپ کو علیحدہ کیا ہے اس وقت تک تو سرداری کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہ آسکتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل اس چیز سے کیسے بھر گیا؟

نیز حُبِ ریاست کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے کوئی آدمی خدا کے پیغمبر ﷺ کے یہاں معزز اور مکرم ہو جائے۔ اگر آں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو علم ہو جاتا کہ ابوبکرؓ میرے

Scanned with CamScanner

ساتھ دنیاوی سرداری کے واسطے لگا ہوا ہے تو اسی وقت علیحدہ کر دیتے۔ کیا اہلِ علم کو یہ بات معلوم نہیں ہے؟ کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دنیاوی چیز کی طلب کی تھی۔ فوراً آپ ﷺ نے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ پورا مہینہ ازواجِ مطہرات سے کلام نہ فرمائی۔ سورۂ احزاب میں خداتعالیٰ نے پورا رکوع نازل فرمایا۔ جس کی ابتداء یوں ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا "اے میرے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں ایک ایک جوڑا کپڑے کا دیتا ہوں اور خوبصورت طریقے سے روانہ کرتا ہوں"۔

دینِ اسلام کے اندر طلاق اضطراری حالت میں جائز قرار دی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکرِ دنیا ہی اضطرار کا باعث ہوگیا۔ اور طلاق دینے پر آمادہ ہوگئے۔ شریعتِ محمدیؐ میں طلاق کے موقعوں پر جوڑا کپڑوں کا دینا ضروری ہوتا ہے۔ اسی کو خداتعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خوبصورت روانگی سے تعبیر کیا۔ مقامِ غور ہے کہ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ذکرِ دنیا سے اس قدر نفرت رکھتا ہے۔ وہ کسی محبِ ریاست اور سرداری کے امیدوار کو رفیقِ زندگی بلکہ رفیقِ دارین کیسے بنا سکتا ہے۔

حدیث ۱۱ فروعِ کافی جلد ۲ کتاب المعیشۃ صفحہ ۴ پر ایک طویل حدیث ہے جو حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ آپؒ نے حضرت ابوبکر صدیق اور سلمان فارسی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مَنْ اَزْهَدُ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ یعنی مذکورہ بالا تینوں بزرگوں سے زیادہ تارکِ دُنیا کون ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زاہد اور تارکِ دنیا ہونے پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی، تو حدیث ۱۰ کی تشریح میں جو معنے راقم الحروف نے بیان کیے ہیں۔ ان کی حقانیت بھی واضح ہوگئی۔

حدیث ۱۲ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۶ پر ہے: اَتَتْ اِمْرَءَةٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَمَرَهَا اَنْ تَرْجِعَ اِلَیْهِ قَالَتْ اَرَءَیْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْكَ كَاَنَّهَا تَقُوْلُ الْمَوْتَ قَالَ علیہ السلام اِنْ لَّمْ تَجِدِیْنِیْ فَاْتِیْ اَبَابَكْرٍ "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی پس آپ ﷺ نے اس

عورت کو کسی دوسرے وقت آنے کا حکم دیا۔ وہ کہنے لگی : حضور! بتلائیے اگر میں واپس آؤں اور آپ کو نہ پاؤں، مطلب اس عورت کا یہ تھا کہ اگر آپ میرے آنے سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تو کیا کروں۔ حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اگر میرے ساتھ ملاقات نہ ہو سکے تو ابوبکرؓ کے پاس آنا ہوگا۔

نوٹ اس حدیث نے خلافتِ صدیقؓ کو ایسی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس سے اُوپر وضاحت کی کوئی صورت نہیں ہے۔ واقعی اس عورت نے خلافت ہی کے بارے سوال کیا تھا۔ اس کے سوا اور کوئی مقصد سائلہ کے سامنے نہ تھا اور آپ ﷺ نے بھی اپنے خلیفہ اور جانشین کے بتلانے میں کوئی خفا باقی نہ رکھا۔

حدیث ۱۳ صحیح بخاری مطبوعہ اصح المطابع دہلی جلد اول صفحہ ۵۱۷ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّ اَحَدَ شِقَّيْ ثَوْبِيْ يَسْتَرْخِيْ اِلاَّ اَنْ اَتَعَاهَدَ ذٰلِكَ مِنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذٰلِكَ خُيَلاَءَ۔

"خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جو شخص اپنے تہبند کو زمین پر بڑائی دکھانے کے لیے گھسیٹے گا قیامت کے دن خدا تعالیٰ اس پر نظرِ کرم نہیں فرمائیں گے۔ اس موقعہ پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں تہبند کا مکمل خیال نہ رکھوں تو وہ ڈھلک جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ : اے! ابوبکرؓ! تیرا یہ کام تکبر کے سبب سے نہیں"۔

نوٹ حضرت امام غزالیؒ کی احیاء العلوم دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبر کس قدر گناہوں کا موجب بنتا ہے۔ تکبر آدمی کو ظلم کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ جس کے بدن میں تکبر نہیں اس سے کوئی کام ظالموں کا سا نہیں سرزد ہوتا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بدن سے تکبر کی نفی کر دی تو ہر قسم کے ظلم کی خود بخود نفی ہو گئی۔

حدیث ۱۴ صحیح بخاری مطبوعہ اصح المطابع دہلی جلد ا صفحہ ۵۱۸ : عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فرزند محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مسلمانوں سے بہترین ہستی کون

ہے؟ فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں : میں نے دریافت کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام مسلمانوں سے بہتر کون ہے؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ "۔

نوٹ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے خلافت اور افضلیت کے مسئلے کو اسی طرح بیان فرمایا ہے جس طرح کہ محققین اہلِ سُنّت و الجماعت کی تحقیق ہے۔ سرِ مو فرق نہیں ہے۔

حدیث ۱۵ دیکھو طبقات ابن سعد مطبوعہ بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ : قَالَ عَلِیٌّ لَمَّا قُبِضَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم نَظَرْنَا فِیْ اَمْرِنَا فَوَجَدْنَا النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ قَدَّمَ اَبَابَکْرٍ فِی الصَّلٰوۃِ فَرَضِیْنَا لِدُنیانا من رضی رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا فقدّمنا ابابکرٍ "حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک قبض کرلی گئی۔ تو ہم نے حکومت کے بارے سوچا۔ پس آپ نے جو ابوبکرؓ کو نماز کے لیے آگے کیا تھا وہ ہمیں اس بات میں راہنما دستیاب ہو گیا۔ اور خدا کے رسُول نے جس شخص کو ہمارے دین کا پیشوا بنایا تھا ہم نے اس کو اپنی دنیا کا بھی پیشوا بنالیا۔ اور ابوبکرؓ کو امام اور بادشاہ بنایا"۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث شریف میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کے نزدیک مرضِ وفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں امامتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ بارشادِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ اور خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبردست دلیل تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس دلیل کے دریافت کرنے میں تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ تمام بنو ہاشم اس چیز میں آپ کے ساتھ مُتّفق ہیں۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تخلف کے قصے صحیح نہیں ہیں۔ نہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت بردست ابی بکر رضی اللہ عنہ میں پس و پیش کی اور نہ ہی باقی بنو ہاشم نے لیت و لعل سے کام لیا۔

حدیث ۱۶ دیکھو مِشکوٰۃ شریف مطبوع اصح المطابع کراچی صفحہ ۵۵۵ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا ینبغی لقومٍ فیھم ابوبکرٍ ان یومھم غیرہٗ خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "جس جماعت میں ابوبکرؓ موجود ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی اور کو امام بنائے"۔

حضور پُر نُور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی غیر حاضری کی صورت میں ایک قاعدہ مقرر کر دیا کہ ابوبکرؓ کے ہوتے ہوئے کسی اور کو امام بنانا جائز نہیں۔ یہ امامت عام ہے، چاہے دینی ہو چاہے دنیاوی۔

Scanned with CamScanner

حدیث ۱۷ ملاحظہ کیجیے سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۸ سطر ۱۰ : فَقَالَ ﷺ لِبِلَالٍ رضی اللہ عنہ اِنْ حَضَرَتْ صلوٰۃ العصر ولم اٰتک فمر ابابکرؓ فلیصل بالناس "پس آنحضور ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اگر نمازِ عصر کا وقت آجائے اور میں نہ پہنچوں تو میری طرف سے ابوبکرؓ کو کہنا کہ لوگوں کو نماز پڑھائے"۔

نوٹ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ منشائے نبوت یہ تھی کہ میری غیر حاضری میں میری قائم مقامی ابوبکرؓ کے ذمہ ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ آنحضور ﷺ کی زندگی میں کوئی ایسا موقعہ نہیں آیا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے کسی اور صحابی کو امام بنایا گیا ہو۔ اور ان کو مقتدیوں میں کھڑا کیا گیا ہو۔

حدیث ۱۸ دیکھو شافی شریف مرتضیٰ علم الہدےٰ مطبوعہ تہران صفحہ ۱۷۱ : عَنْ علی بن ابی طالب علیہ السلام انہ قیل لہ الا توصی قال ما اوصی رسول اللہ فاوصی ولکن ان اراد اللہ خیرا فسیجمعھم علیٰ خیرھم کما جمعھم بعد نبیھم علیٰ خیرھم "حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرماتے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ خدا کے رسول ﷺ نے نامزد نہیں کیا تو میں کیسے نامزد کروں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ مسلمانوں کے حق میں بھلائی کا ارادہ کرے گا تو ان کو اپنے میں سے بہترین آدمی پر متفق بنا دے گا۔ جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام مسلمانوں میں سے بہترین آدمی پر انھیں اجتماع عطا کیا گیا تھا"۔

نوٹ یہ حدیث بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے فرزند ارجمند امام حسن رضی اللہ عنہ کو نامزد نہیں کیا تھا۔ اگرچہ لوگوں میں اس کے خلاف مشہور ہے۔

حدیث ۱۹ شافی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ مطبوعہ تہران کے صفحہ ۱۷۱ پر مرقوم ہے : وروی ابو جحیفۃ و محمد بن علی رضی اللہ عنہ و عبد خیر و سوید بن غفلۃ و ابو حکمۃ و غیرھم وقد قیل انھم اربعۃ عشر رجلا ان علیاً علیہ السلام قال فی خطبتہ خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر و عمر "ابو جحیفہ اور محمد بن علی اور عبد خیر اور سوید بن غفلہ اور ابو حکمہ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے راوی روایت کرتے ہیں کہا گیا ہے کہ وہ چودہ عدد راوی ہیں کہ حضرت علی

علیہ السلام نے جمعہ کے خطبے میں ارشاد فرمایا: اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ پھر عمرؓ ہیں۔ رضی اللہ عنہما

نوٹ یہ حدیث اسی طرح صفحہ ۲۸۴ پر بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

حدیث ۲۰ ناسخ التواریخ جلد ا از کتاب دوم صفحہ ۸۴۵ تحریر کرتے ہیں خدا کے رسُول نے ارشاد فرمایا: اول دینکم نبوة و رحمة ثم ملك و رحمة ثم ملك و جبروت "تمہارے دین کا پہلا زمانہ نبوت اور خدا کی رحمت کا زمانہ ہے، اس کے بعد بادشاہت اور خدا کی رحمت کا زمانہ ہوگا، پھر اس کے بعد بادشاہت اور زبردستی کا زمانہ ہوگا"۔

نوٹ اس حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس زمانے کے بعد آنے والے زمانوں کے بارے پیشین گوئی فرمائی جو حرف بحرف پوری اتری۔ فرمایا میرا زمانہ تو نبوت اور رحمت کا زمانہ ہے جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو مُسلمانوں کو بادشاہت کے ساتھ خدا کی رحمت شاملِ حال ہوگی۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں اس زمانہ کی حد بندی کر کے فرمایا: الخلافة بعدی ثلاثون سنة میری خلافت میرے بعد تیس برس تک ہوگی۔ اور اس کے بعد مُسلمانوں کی بادشاہت ہوگی۔ مگر اس میں وہ بات نہ ہوگی۔ جو تیس برس کی مدت میں تھی۔ بلکہ زبردستی حکومت قائم ہوگی۔ اور انتخاب اور شوریٰ کا نام ونشان بھی نہ ہوگا۔ ؎

قدرِ زر زرگر بداند، قدرِ جوہر جوہری
قدرِ گل بلبل بداند، قدر یاراں شاہ علی علیہ السلام

○

سورۂ توبہ کی آیت

اور

علمائے تفسیر کی تحقیقات

۸ھ ہجری میں خدا تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حسب وعدہ فتح مکہ سے مسرور فرمایا۔ اور جو لوگ آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے باندھتے تھے، وہی ۸ھ ہجری کے رمضان شریف میں لرزہ براندام تھے۔

سن مذکور میں تو پوری طرح امن قائم نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے حج کا ارادہ نہ فرمایا۔ بلکہ حج کے ایام امن قائم کرنے میں گذر گئے۔ البتہ ۹ھ ہجری کے ایام حج کے آنے تک ملک عرب میں صحیح طور پر امن قائم ہو چکا تھا۔ اس لیے آں حضور ﷺ نے مسلمانوں کو طریق حج تعلیم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن چونکہ مشرکین عرب ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور آں حضور ﷺ اس قسم کے نظاروں سے طبعی نفرت رکھتے تھے۔ اس لیے بذات خود اس حج میں شامل نہ ہوئے۔ اور اپنے قائم مقام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد نبوی کے مطابق ۹ھ ہجری کا حج مقدس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ہوا۔ ملاحظہ ہو تفسیر مظہری جلد ۴ صفحہ ۱۳۶:

حدیث رَوَى النَّسَائِيُّ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهُ ﷺ بَعَثَ اَبَابَكْرٍ عَلَى الْحَجِّ فَاَقْبَلْنَا مَعَهُ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْعَرْجِ ثُوِّبَ بِالصُّبْحِ فَلَمَّا اسْتَوٰى لِلتَّكْبِيْرِ سَمِعَ الرَّغْوَةَ خَلْفَ ظَهْرِهٖ وَوَقَفَ عَنِ التَّكْبِيْرِ فَقَالَ هٰذِهٖ رَغْوَةُ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْجَدْعَاءِ لَقَدْ بَدَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْحَجِّ فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَّكُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَنُصَلِّيَ مَعَهٗ فَاِذَا عَلِيٌّ عَلَيْهَا فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ اَمِيْرٌ اَمْ رَسُوْلٌ قَالَ لَا بَلْ رَسُوْلٌ اَرْسَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِبَرَآءَةٍ اَقْرَءُهَا عَلَى النَّاسِ

Scanned with CamScanner

فِيْ مَوَاقِفِ الْحَجِّ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ قَامَ اَبُوْبَكْرٍ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَدَّثَهُمْ عَنْ مَنَاسِكِهِمْ حَتّٰى اِذَا فَرَغَ قَامَ عَلِيٌّ فَقَرَأَ عَلَى النَّاسِ بَرَآءَةٍ حَتّٰى خَتَمَهَا ثُمَّ خَرَجْنَا مَعَهُ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ قَامَ اَبُوْبَكْرٍ فَخَطَبَ النَّاسَ فَعَلَّمَهُمْ مَنَاسِكَهُمْ حَتّٰى اِذَا فَرَغَ قَامَ عَلِيٌّ فَقَرَأَ عَلَى النَّاسِ بَرَآءَةً حَتّٰى خَتَمَهَا ثُمَّ كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ فَاَفَضْنَا فَلَمَّا رَجَعَ اَبُوْبَكْرٍ خَطَبَ النَّاسَ فَحَدَّثَهُمْ عَنْ اِفَاضَتِهِمْ وَعَنْ نَحْرِهِمْ وَعَنْ مَنَاسِكِهِمْ فَلَمَّا فَرَغَ قَامَ عَلِيٌّ فَقَرَأَ عَلَى النَّاسِ بَرَآءَةً حَتّٰى خَتَمَهَا فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ النَّفْرِ الْاَوَّلِ قَامَ اَبُوْبَكْرٍ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَدَّثَهُمْ كَيْفَ يَنْفِرُوْنَ وَكَيْفَ يَرْمُوْنَ يُعَلِّمُهُمْ مَنَاسِكَهُمْ فَلَمَّا فَرَغَ قَامَ عَلِيٌّ فَقَرَأَ عَلَى النَّاسِ بَرَاءَةً حَتّٰى خَتَمَهَا۔

ترجمہ "امام نسائیؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضور ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج پر مقرر فرمایا۔ پس ہم لوگ اس کے ساتھ روانہ ہوئے، تاآنکہ ہم جس وقت مقامِ عرج پر پہنچے تو صبح کی اذان کہی۔ پس جب تکبیر کے لیے کھڑے ہوئے تو اپنے پیچھے سے اونٹنی کی آواز سُنی، اور تکبیر سے رک گئے، اور کہا کہ یہ تو خدا کے رسول ﷺ کی اونٹنی کی آواز ہے۔ ضرور آپ کو شمولِ حج کا خیال پیدا ہوگیا ہے، جو پہلے نہ تھا، تو امید ہے کہ یہ خدا کے رسولؐ ہوں گے، اور ہم سب آپکے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ پس دیکھا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ امیر بن کر آئے ہیں یا پیغام رساں بن کر، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ امیر نہیں ہوں، بلکہ میں ایک قاصد ہوں، جس کو خدا کے رسول ﷺ نے سورۂ برارت دے کر بھیجا ہے، تاکہ حج میں کھڑے ہونے کے مواضع میں لوگوں کو پڑھ کر سُناؤں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہم مکہ شریف پہنچ گئے۔ پس جب ذوالحجہ کی ساتویں تاریخ آئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں احکامِ حج بیان فرمائے، تاآنکہ جب وہ فارغ ہوگئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے، اور لوگوں کو برارت سُنائی، یہاں تک کہ ختم کردی۔ پھر ہم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مکہ سے نکلے، تاآنکہ جب نویں کا دن آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا، جس میں احکامِ حج کی تلقین کی۔ اور جب وہ فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر سورۂ برارت پڑھی یہاں تک کہ ختم کردی۔

Scanned with CamScanner

پھر دسویں کا دن آ گیا اور عرفات سے واپسی ہوئی۔ پس جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منیٰ میں پہنچ گئے تو ایک خطبہ دیا، جس میں طواف اور قربانی وغیرہ کے احکام بیان فرمائے۔ پھر جب آپ فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر سورۂ براءت لوگوں کو سُنانی شروع کی۔ یہاں تک کہ ختم کر دی۔ اس کے بعد بارھویں تاریخ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں منیٰ سے روانگی اور رمیِ جمار کی کیفیت بیان فرمائی۔ پس جب آپؓ فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے، اور لوگوں کو سورت براءت سُنانی شروع فرمائی، یہاں تک کہ آخر تک پہنچا دی"۔

نوٹ امام نسائیؒ کی اس روایت سے واضح ہو رہا ہے کہ امیر الحج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کو امارتِ حج پر مقرر کیے جانے کے بعد کوئی معزولی نہیں ہوئی۔

ایک روایت ملاحظہ ہو، جس کو ابنِ جریر طبری نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر طبری مطبوعہ امیریہ مصر صفحہ ۴۷ جلد دہم : عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ حُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ وَوُجُوْهَهُمْ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَرَآءَةٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ کَانَ بَعَثَ اَبَابَکْرِ الصِّدِّیْقَ رضی اللہ عنہ لِیُقِیْمَ الْحَجَّ لِلنَّاسِ قِیْلَ لَهٗ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ بَعَثْتَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَ لَا یُؤَدِّیْ عَنِّیْ اِلَّا رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ ثُمَّ دَعَا عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ فَقَالَ اُخْرُجْ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ مِنْ صَدْرِ بَرَآءَةٍ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ یَوْمَ النَّحْرِ اِذَا اجْتَمَعُوْا بِمِنًی اَنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ کَافِرٌ وَلَا یَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا یَطُفْ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ وَمَنْ کَانَ لَهٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَهُوَ اِلٰی مُدَّتِهٖ فَخَرَجَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ عَلٰی نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعَضْبَآءِ حَتّٰی اَدْرَكَ اَبَابَکْرِ الصِّدِّیْقَ رضی اللہ عنہ بِالطَّرِیْقِ فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَکْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اَمِیْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ؟ قَالَ مَاْمُوْرٌ ثُمَّ مَضَیَا عنهما فَاَقَامَ اَبُوْبَکْرٍ رضی اللہ عنہ لِلنَّاسِ الْحَجَّ وَالْعَرَبُ اِذْ ذَاكَ فِیْ تِلْكَ السَّنَةِ عَلٰی مَنَازِلِهِمْ مِنَ الْحَجِّ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْهَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمُ النَّحْرِ قَامَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ فَاَذَّنَ فِی النَّاسِ بِالَّذِیْ اَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَآاَیُّهَا النَّاسُ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَلَا یَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكَ وَلَا یَطُفْ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ وَمَنْ کَانَ لَهٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

Scanned with CamScanner

عَهْدٌ فَهُوَلَهٗ اِلٰی مُدَّتِهٖ فَلَمْ یَحُجَّ بَعْدَ ذٰلِكَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَمْ یَطُفْ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ ثُمَّ قَدِمَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔ ”حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جب خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم پر سُورت براءت نازل ہوئی درآنحالیکہ آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر روانہ کر چکے تھے تو عرض کیا گیا۔ اے خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُورت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچا دو۔ پس آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ پیغام میری طرف سے میرے گھر کے آدمی کے سوا کوئی نہیں پہنچائیگا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ اس قصہ یعنی سورت براءت کو لے کر جاؤ۔ اور لوگ جس وقت منیٰ شریف میں اکٹھے ہوں تو ان میں اعلان کر دو کہ: ”بہشت میں کوئی کافر داخل نہ ہوگا۔ اور یہ کہ اس کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے، اور کوئی شخص ننگے ہو کر طواف کعبہ نہ کرے۔ اور یہ کہ جس کا خدا کے رسُول ؐ کے ساتھ معاہدہ ہے تو وہ معاہدہ اپنی مدت تک پہنچایا جائے گا“۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عضباء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو راستہ میں جا ملے۔ پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو سوال کیا کہ آپؓ حاکم بن کر آئے ہیں یا ماتحت؟ جواب دیا کہ میں ماتحت ہو کر آیا ہوں۔ پھر دونوں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پس مکہ پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے حج کرانے کا انتظام کیا، اور اس سال عرب لوگ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنی اپنی منزلوں میں اترے ہوئے تھے۔ تا آنکہ دسویں کا دن آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اس چیز کا اعلان کیا، جس کا ان کو خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ پس فرمایا: ”اے لوگو! بہشت میں وہی داخل ہوگا جو مُسلم ہوگا۔ اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ نہ کرے، اور کوئی شخص ننگے بدن خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے، اور جس کا خدا کے رسُول ؐ سے معاہدہ ہے تو وہ اپنی مدت تک رہے گا“۔ پس اس کے بعد کسی مشرک نے حج نہیں کیا، اور کسی نے ننگے بدن طواف بھی نہیں کیا۔ پھر یہ دونوں بزرگ حج سے فارغ ہو کر خدا کے رسُول ؐ کی خدمت میں واپس آئے۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

Scanned with CamScanner

نوٹ یہ روایت حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی ہے جس سے بخوبی واضح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنایا گیا اور پھر معزول نہیں کیا گیا۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ سورۂ برأت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد نازل ہوئی اور نزول کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کو اس سورت کی تبلیغ پر مقرر فرمایا۔ اور جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ راستے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملے ہیں تو اپنی ماتحتی کا اقرار کیا ہے، اور باقی تمام سفرِ حج مل کر کیا ہے اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بدستور امیرِ حج رہے ہیں۔

امید ہے کہ ناظرینِ کرام الفاروق (زیرِ نظر کتاب "ثانی اثنین") اور معترضین حضرات اس حدیث کو پڑھنے کے بعد معزولی کے قصہ کی حقیقت سے واقف ہوجائیں گے۔ اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کسی مدعیِ صداقت کو پرکاہ کی حیثیت نہیں دیں گے۔ نیز حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا حدیث کو علامہ ابنِ کثیرؒ نے اپنی مشہور تفسیر میں درج کیا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ (دیکھو تفسیر ابنِ کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۴)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حج کے لیے روانہ ہوجانے کے بعد سورۂ برأت نازل ہوئی تھی۔ جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں روایات شاہد ہیں۔ اور اس سورت میں چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدحِ عظیم تھی، بلکہ آپ کی خلافت کے اشارات موجود تھے۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اس کی تبلیغ پر مقرر فرمایا۔ خداوند علیم اور حکیم جانتے تھے کہ آئندہ آنے والے زمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اس مخلص کے اخلاص پر شبہاتِ رکیکہ سے باز نہیں آئیں گے اور خلافت تو بہت بڑی چیز ہے وہ تو اس بزرگ کے ایمان میں کلام کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔

اس لیے پہلے تو اپنے پیغمبر یعنی اپنے خاص نمائندہ کے ذریعہ حجِ کعبہ جیسی عظیم الشان ذمہ داری کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر رکھ دیا۔ اور خاص اپنے پیغمبر کی قائم مقامی سے مشرف فرمایا۔ اسلام کے اندر جو مقامِ حجِ بیت اللہ کا ہے، وہ کسی مسلمان سے مخفی نہیں ہے۔ صغیرہ و کبیرہ گناہ جس کے ادا کرنے سے معاف ہوجاتے ہیں، وہ حج

Scanned with CamScanner

بَیتُ اللہ ہی تو ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جو شخص خدا کے لیے حج بَیتُ اللہ کرے اور میدانِ عرفات میں نویں ذوالحجہ کو کھڑا ہو جائے۔ پھر دل میں خیال کرے کہ میرے گناہوں میں سے کوئی گناہ ایسا بھی ہے جو معاف نہیں ہوا تو اس کو معرفتِ حج نصیب نہیں ہوئی، بلکہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے“۔ اگر نگاہِ حقیقت آشنا میسر ہو تو خلافت کے مسئلے کا یہاں فیصلہ ہو گیا ہے۔ خدا کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا حضرت ابوبکر صدّیق کو اپنے قائم مقام امیر الحج مقرر کر کے خلافت کا تصفیہ کر دیا ہے۔ جو شخص آپ کی خلافت میں شک و شبہ سے دوچار ہے اس کو چاہیے کہ امارتِ حج سے معزولی کی کوئی روایت تلاش کرے۔ ہمارے معترز معاصر نے جو پانچ عدد روایات پیش کی ہیں۔ ان میں ایک بھی تو ایسی روایت نہیں جس سے حضرت ابوبکر صدّیق کی امارتِ حج سے معزولی مفہوم ہوتی ہو۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ

اور خداوندِ علیم نے دوسرا کام یہ کیا کہ سُورۂ برأت کی تبلیغ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے ذمہ کر دی، وہ اس طرح پر کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی روانگی کے بعد جبرئیل علیہ السلام کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ سُورت برأت کی تبلیغ آپ خود کریں یا آپؐ کے اہلِ بَیت میں سے کوئی شخص کرے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم چونکہ اس سال حج کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ نیز اگر آپ اس وقت حج کے لیے تیار ہو جاتے اور صدیقؓ قافلۂ حجاج کو جا لیتے تو امیرِ حج خود ہو جاتے، اور جس کو پہلے امیرِ حج مقرر کیا جا چکا تھا لامحالہ اس کی معزولی کا قصہ پیش آتا، اور اس کی معزولی آپؐ کو اور آپؐ کے خدا کو کسی صورت منظور نہیں تھی۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تیار نہ ہوئے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو سورۂ برأت دے کر پیچھے سے روانہ فرمایا۔ اور آپؓ نے حسبِ فرمودۂ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں، اور دو دفعہ منیٰ شریف میں سُورۂ برأت لوگوں کو سُنائی۔ جیسا کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۲۵۷ پر لکھتے ہیں:

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم حِيْنَ رَجَعَ مِنْ عُمْرَةِ الْجِعِرَّانَةِ بَعَثَ اَبَابَكْرٍ عَلَى الْحَجِّ فَاَقْبَلْنَا مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْعَرْجِ ثُوِّبَ بِالصُّبْحِ فَسَمِعَ رَغْوَةَ نَاقَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاِذَا

عَلِیٌّ عَلَیْھَا فَقَالَ لَہٗ اَمِیْرٌ اَوْ رَسُوْلٌ فَقَالَ بَلْ اَرْسَلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِبَرَآءَۃٍ اَقْرَؤُھَا عَلَی النَّاسِ فَقَدِمْنَا مَکَّۃَ فَلَمَّا کَانَ قَبْلَ یَوْمِ التَّرْوِیَۃِ بِیَوْمٍ قَامَ اَبُوْبَکْرٍ فَخَطَبَ النَّاسَ بِمَنَاسِکِھِمْ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ قَامَ عَلِیٌّ فَقَرَءَ عَلَی النَّاسِ بَرَآءَۃَ حَتّٰی خَتَمَھَا ثُمَّ کَانَ یَوْمَ النَّحْرِ کَذٰلِکَ ثُمَّ یَوْمَ النَّحْرِ کَذٰلِکَ "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جعرانہ کے عمرہ سے واپس آئے تو ایک بڑی مدت کے بعد حضرت ابوبکر کو حج کا امیر مقرر فرمایا۔ پس ہم اس کیساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ جس وقت مقام عرج میں تھے تو صبح کی اذان ہوئی، پس آں حضور ﷺ کی اونٹنی کی آواز سُنی گئی۔ ناگہاں کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر سوار ہیں، پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ امیر بن کر آئے ہیں یا کہ پیغام پہنچانے والے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ امیر نہیں بلکہ مجھے تو خدا کے رسول ﷺ نے سورۃِ برارت دے کر روانہ فرمایا ہے، تاکہ میں لوگوں کو پڑھ کر سُناؤں۔ پس ہم مکہ شریف آگئے۔ پس جب ساتویں تاریخ ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو احکام حج کی تعلیم دی۔ یہاں تک کہ جب وہ فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اور لوگوں کو سورۃِ برارت سُنائی، یہاں تک کہ ختم فرمائی۔ اس کے بعد دسویں اور بارہویں تاریخوں میں بھی اسی طرح پر عمل ہوا"۔

نوٹ دیکھو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کس وضاحت سے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کے رسول ﷺ نے سورۃِ برارت دے کر پیچھے سے روانہ فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سورۃِ برارت لینے کی کہانی صاف نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ پر لکھتے ہیں:

سَمِعْتُ اَبَا الصَّھْبَآءِ الْبَکْرِیَ: ھُوَ یَقُوْلُ سَأَلْتُ عَلِیًّا عَنْ یَوْمِ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بَعَثَ اَبَابَکْرِ بْنَ اَبِیْ قُحَافَۃَ یُقِیْمُ لِلنَّاسِ الْحَجَّ وَبَعَثَنِیْ مَعَہٗ بِاَرْبَعِیْنَ اٰیَۃً مِّنْ بَرَآءَۃَ حَتّٰی اَتٰی عَرَفَۃَ فَخَطَبَ النَّاسَ یَوْمَ عَرَفَۃَ فَلَمَّا قَضٰی خُطْبَۃَ اِلْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ قُمْ یَا عَلِیُّ فَاَدِّ رِسَالَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقُمْتُ فَقَرَأْتُ عَلَیْھِمْ اَرْبَعِیْنَ اٰیَۃً مِّنْ بَرَآءَۃَ ثُمَّ صَدَرْنَا فَاَتَیْنَا مِنٰی۔ "راوی کہتا ہے کہ میں نے ابوصہبا سے سُنا، وہ کہتا تھا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوم حجِ اکبر کے بارے سوال کیا۔ آپ نے

جواب میں فرمایا کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کرانے کے لیے مقرر کیا۔ اور مجھے ان کے ساتھ چالیس آیتیں برات کی دے کر بھیجا، تاآنکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرفات میں پہنچے اور نویں کے دن خطبہ دیا جب وہ خطبہ پورا کر چکے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ: اٹھ کھڑا ہو اے علی! اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لوگوں کو پہنچا دے۔ پس میں کھڑا ہو گیا۔ اور لوگوں کو سورۂ برات کی چالیس آیتیں پڑھ سنائیں۔ اس کے بعد ہم وہاں سے واپس ہو کر منیٰ شریف آئے۔

نوٹ اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چالیس آیات کے پڑھنے کا ذکر ہے۔ اور اس سے پہلی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی پوری سورت کے ختم کرنے کا بیان ہے۔

تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ چالیس آیات کے لیے جانے اور ان کے پڑھنے کا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنی زبانِ حقیقت ترجمان سے اقرار فرما رہے ہیں۔ اس لیے اس کو باقی روایات اور بیانات پر ترجیح ہے۔ کیونکہ غیر کی روایت میں وہ احتمالات ہوتے ہیں جو اپنے اقرار میں راہ نہیں پا سکتے۔ چنانچہ یہاں کہا جا سکتا ہے کہ چالیس آیات ہی کو پوری سورت قرار دے کر ختم کرنیکو روایت کر دیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی مسلّم ہے کہ ایک عدد جو کہ چھوٹا ہے وہ بڑے عدد کی نفی نہیں کرتا۔ اس لیے اگر کہا جائے کہ پوری سورت کی تبلیغ کا حکم ہوا تھا۔ لیکن اس میں سے چالیس آیات سخت مؤکد تھیں ان کی تبلیغ سخت ضروری قرار دی گئی تھی۔ اس لیے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے چالیس آیات کا خصوصی ذکر کر دیا۔ اس سے باقی سورت کی نفی نہیں ہو جاتی۔ بہرحال ان دونوں مضمونوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ اگر پوری سورت کی تبلیغ کے حکم کو ترجیح دی جائے تو بھی آیتِ غار اس میں آجاتی ہے۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدحِ عظیم موجود ہے۔ اور اگر چالیس آیات کی روایت کو ترجیح دی جائے اور کہا جائے کہ سورۂ برات کی صرف چالیس آیات کی تبلیغ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگائی گئی تھی تو بھی آیتِ غار اس میں موجود ہے۔ کیونکہ آیات کے شمار کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ آیت غار چالیس آیات کے اندر ہے۔ دونوں صورتوں میں مقصودِ خداوندی اور مقصودِ رسالت امیرِ حج کی اسلامی پوزیشن کی وضاحت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امارتِ حج اکبر کا عہدہ تفویض کرنے پر شبہ کیا جاسکتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ جیسے ہاشمی اور مطلبی بزرگوں کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے خاندان کے فرد کو امارتِ حج مناسب نہیں۔ کیونکہ قریش کے تمام خاندانوں سے بنوہاشم مکرم اور معزز سمجھے جاتے تھے۔ اس واسطے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امارتِ حج کے لیے موزوں نہیں ہیں خداوند تبارک و تعالیٰ نے اس شبہ کو دُور کرنے کے لیے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ سورۂ برارت تمام حجاجِ کعبہ کو سنائی جائے اور اس کی تبلیغ بھی یا آں جناب خود کریں یا بنوہاشم کے معزز ترین فرد حضرت علی رضی اللہ عنہ کریں۔ تاکہ تمام دنیا کے بسنے والے دیکھ لیں یا سُن لیں کہ جس کو امیرِ حج بنایا گیا ہے وہ واقع میں اس منصب کے لائق ہے کہ خداوندِ کریم قرآن میں اس کی مدح کر رہا ہے اور اس کی تبلیغ پر خود بنوہاشم لگے ہوئے ہیں۔ سچ ہے۔ ے

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

○

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روانگی کا فلسفہ

کتبِ حدیث کی روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اعانت اور امداد کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ سورت برارت کے لینے کے لیے نہیں روانہ کیا گیا تھا۔ دیکھو حدیث شریف کی مشہور کتاب بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۶۷۱ : قَالَ حُمَيْدٌ ثُمَّ اَرْدَفَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِعَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّؤَذِّنَ بِبَرَآءَةٍ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَاَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِيْ اَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ بِبَرَآءَةٍ۔ ”حمید راوی کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، اور حکم دیا کہ سورۂ برارت کا اعلان کریں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ مل کر منیٰ شریف میں دسویں کے دن سورۂ برارت کا اعلان کیا“۔

Scanned with CamScanner

نوٹ اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ سورۂ برا‌ءت کی تبلیغ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ منفرد اور تنہا نہیں تھے بلکہ اس سورت کی تبلیغ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی برابر کے شریک اور حصہ دار تھے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کی اس روایت سے ہوتی ہے، جو آپ نے امام طحاویؒ کی مشکل الآثار سے نقل فرمائی ہے۔ دیکھو فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۳۵۶: ثُمَّ سَاقَ مِنْ طَرِيْقِ الْمُحَرَّزِ بْنِ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ حِيْنَ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِبَرَآءَةَ اِلٰى اَهْلِ مَكَّةَ فَكُنْتُ اُنَادِيْ مَعَهُ بِذٰلِكَ حَتّٰى يَصْحَلَ صَوْتِيْ وَ كَانَ هُوَ يُنَادِيْ قَبْلِيْ حَتّٰى يَعْيٰى۔ ”پھر امام طحاویؒ نے اس حدیث کو محرز بن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے باپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا‌ءت دے کر اہلِ مکہ کی طرف بھیجا تو میں آپؓ کے ہمراہ تھا، اور میں اس سورت کا اعلان کرتا تھا، تاآنکہ میری آواز بیٹھ جاتی تھی اور آپؓ مجھ سے پہلے اعلان کرتے تھے، یہاں تک کہ آپؓ تھک جاتے تھے“۔ مراد یہ ہے کہ سورۂ برا‌ءت کی تبلیغ ہم دونوں مل کر کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھک جاتے تھے تو میں سورت کی تبلیغ شروع کر دیتا تھا۔ اور جب میری آواز بیٹھ جاتی تھی تو آپؓ یہ کام شروع کر دیتے تھے۔ دراصل بات یہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبلیغ احکام نبویہ کے واسطے بہت سے مبلغ مقرر کر دیے تھے، جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام صراحت کے ساتھ بخاری شریف میں آ گیا ہے۔ بقیہ مبلغین اور مؤذنین کے اسماءِ گرامی کی صراحت دستیاب نہیں ہوئی، ان کی کثرت کی صراحت تو بخاری میں موجود ہے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کام یہ تھا کہ مواقفِ ثلاثہ میں تمام مناسکِ حج لوگوں کو سمجھائیں۔ چنانچہ آپؓ نے اس چیز کو باحسن وجوہ انجام دیا۔ باقی رہی سورت برا‌ءت کی تبلیغ تو وہ حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ وغیرہما رضی اللہ عنہم کرتے تھے اور مشرکین کے عہدناموں کے خاتمے کے اعلان میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تنہا نہیں تھے۔ بلکہ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سب ہی شامل تھے۔ جیسا کہ کتبِ تفسیر اور ذخیرۂ احادیث گواہ ہے۔

Scanned with CamScanner

پس ظاہر ہو گیا کہ حضرت علیؓ کو کام میں امداد کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ آپؓ کی روانگی کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بے اعتمادی کا باعث ہرگز نہیں بنایا جاسکتا۔ جو شخص حقائق سے بے خبر ہو وہی اس قسم کی جرأت کرسکتا ہے۔ اگر اس جوان پر اعتماد نہیں تھا، تو امیرِ حج کیوں بنایا گیا؟ اور اگر اس بزرگ میں کوئی بہت باریک نقص اور مخفی عیب تھا تو خدا تعالیٰ نے جبرئیلؑ کے ذریعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے معزول کردینے کا حکم کیوں نہ دیا؟ اگر سورۂ برأت کی تبلیغ کی اہلیت نہیں ہے تو امارتِ حج تو اس سے بدرجہا بھاری کام ہے۔ اس کی اہلیت کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ برأت کی تبلیغ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگائی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے تھی، تاکہ ان سے کام کی کچھ تخفیف ہوجائے۔

سورۂ توبہ میں امیرِ حج کی تعریف

عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ عہدناموں کے ٹوٹ جانے کا اعلان کرنا دستورِ عرب کے مطابق حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حق تھا یا پھر آپؐ کے قریبی رشتہ دار کا حق تھا۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو پیچھے سے روانہ کیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ بات صحیح ہو۔ کیونکہ اکثر روایات میں آئی ہے۔ اور اس کے رد کردینے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے۔ معزز معاصر نے جو اس موقعہ پر اعتراض کیا ہے، وہ بے جا ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضورِ پُر نور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو نسیان ہوگیا ہو۔ اور نسیانِ پیغمبرؑ کے تو جناب شیخ صدوق صاحب قمی بھی قائل ہوئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" میں اس مضمون کا ایک باب قائم کیا ہے۔ اور آج کل جو قرآن دنیا میں موجود ہے اور صاحبانِ ذوق و شوق اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں، اس میں سب سے پہلے پیغمبرؑ سے متعلق آیا ہے۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ۔ ترجمہ: ہم نے اگلے زمانے میں آدمؑ کی طرف ایک حکم بھیجا تھا۔ پس انھیں نسیان لاحق ہوگیا تھا۔

اور سب سے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں خطاب ہے۔ دیکھو سورۂ اعلیٰ آخری پارہ ۳۰ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ ترجمہ: ہم آپؐ کو پڑھائیں گے۔ پس آپؐ نہ

Scanned with CamScanner

بھولیں گے۔ مگر جو چاہے اللہ۔ معلوم ہوا کہ خاص طور پر آنحضور ﷺ کو بھی کوئی چیز بھول سکتی ہے۔ نسیان آپؐ کی ذات پاک سے غیر ممکن نہیں ہے۔ جب صورتِ حالات یوں ہے، تو پھر کیونکر ممکن نہیں کہ آپؐ کو وہ دستورِ عرب یاد نہ رہا ہو، اور پھر جبرائیلِ امین علیہ السلام نے آ کر یاد دلا دیا، اور آنحضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کر دیا۔ لیکن جو چیز راقم آثم پیش کر رہا ہے کہ: چونکہ سورۂ توبہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تعریف تھی اور اپنی زبانی اپنی تعریف زیبا نہ تھی اس لیے خداوند تبارک و تعالیٰ نے حکم بھیجا کہ خاص اس سورت کی تبلیغ آپؐ خود کریں یا آپؐ کے نہایت قریبی رشتہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ کریں۔ اس کو ایجادِ بندہ کہ کر مسترد نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ آج سے پہلے بھی کچھ اہلِ علم ایسے گذرے ہیں جنھوں نے اس بات کی تصریح کر دی ہے۔ دیکھو فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۸ صفحہ ۲۵۸:

اِنَّمَا لَمْ یَقْتَصِرِ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی تَبْلِیْغِ اَبِیْ بَکْرٍ عَنْہُ بِبَرَآءَۃَ لِاَنَّھَا تَضَمَّنَتْ مَدْحَ اَبِیْ بَکْرٍ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْمَعُوْھَا مِنْ غَیْرِ اَبِیْ بَکْرٍ۔ "آنحضور ﷺ نے سورۂ برأت کی تبلیغ کے لیے حضرت ابوبکرؓ پر اکتفا نہ کی۔ اس لیے کہ اس سورت کے پیٹ میں ابوبکرؓ کی مدح تھی۔ پس آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ اس صورت کو لوگ ابوبکرؓ کے علاوہ کسی دوسرے سے سنیں"۔

نوٹ حافظ ابنِ حجرؒ صاحب نے اس قول کو تحریر کرنے کے بعد اس پر ایک اعتراض کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی پھر جواب بھی ذکر کر دیا ہے۔ یہ وضاحت اس لیے ذکر کی جا رہی ہے کہ ابنائے زمانہ کی عادت معلوم ہے اپنے مطلب کی ایک بات لے لیتے ہیں، اور ذرا آگے دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔

ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب حیات القلوب جلد ۲ میں سورۂ برأت کی تبلیغ کے مسئلہ پر بہت سی روایات جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور دکھایا ہے کہ سورۂ برأت کی صرف پہلی دس آیات کی تبلیغ کی ضرورت تھی اور آنحضور ﷺ نے صرف یہی دس آیات ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دی تھیں۔ پھر ان سے لے کر علی رضی اللہ عنہ کو دے دی تھیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ ملا باقر مجلسی کی اس کارروائی سے مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تبلیغ میں آیت غارنہ آنے پائے۔ مگر اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے کہ صحیح روایات میں پوری سورت کی

Scanned with CamScanner

تبلیغ کے الفاظ موجود ہیں، اور ان روایات کی بھی کوئی کمی نہیں ہے، جن میں چالیس آیات کی تبلیغ کی حکایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

روایاتِ خمسہ کا جواب

معزز معاصر نے مذکورہ بالا مسئلہ میں پانچ روائتیں درج کی ہیں جن میں سے پہلی تین روایات تو ایسی ہیں جو صرف اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ سورۂ برارت کی تبلیغ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کی گئی۔ بعد اس کے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالہ کی جا چکی تھی۔ راقم الحروف نے واضح کر دیا ہے کہ اگر اس قسم کی روایات صحیح ہوں تو بھی ہمیں کوئی مضر نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سورت کی تبلیغ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی گئی۔ مگر امارتِ حج تو بدستور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے پاس رہی۔ جیسا کہ مفصل گذر چکا ہے اور اس کام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقرری کا جو فلسفہ اس مضمون کے دوران میں ہم نے لکھا ہے اس کی رو سے تو یہ کارروائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب میں لکھنے کے قابل ہے۔ افسوس حقائق شناس حضرات دنیا سے اٹھ گئے اور دھاندلی پیشہ لوگ رئیس التحریر والتقریر بن گئے۔ باقی رہ گئیں وہ دو عدد روایات جن سے احساسِ غم اور غمناک واپسی کے عنوانات لیے گئے ہیں تو وہ سخت ضعیف ہیں اور ایسے راویوں سے لی گئی ہیں جن کی کلام پر کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ عقائد کے لحاظ سے وہ راوی اہلِ سنت کے سخت خلاف ہیں۔ اگر معاصر مذکور طالبِ حق اور مبلغ حق ہے تو اس کو مناسب ہے کہ ان پانچوں روائیوں کے اسنادات اپنے اخبار کی دوسری اشاعت میں شائع کرے، تا کہ اہلِ علم حضرات دیکھیں کہ ان روایات کو بغیر اسناد کے کیوں ذکر فرمایا ہے؟

ثانی اثنینؓ کی وضاحت

ہمارے معاصر صاحب اس لفظ کی تحقیق دیکھ کر کچھ ایسے بے حواس ہوئے ہیں کہ اپنی اخبار میں سطر سطر پر تناقض سے دوچار ہوئے ہم ان کے مضمون کے تناقضات کی فہرست تو بعد میں پیش کریں گے۔ پہلے ہم بفضلہٖ تعالیٰ ثانی اثنینؓ کے معنے کے بارے علماءِ نحو کی تحقیقات پیش کرتے ہیں، تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ بے تحقیق کون ہے؟ اور صاحبِ تحقیق کون ہے؟

مولانا عبد الرحمان صاحب جامی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تعارف کے لیے صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ آپ کی کتاب "فوائد ضیائیہ" جو کہ "شرح جامی" کے نام سے مشہور ہے۔ دنیائے اسلام کی تمام درس گاہوں میں زیرِ تعلیم رہی ہے' اور ہے' اور رہے گی۔ اور ابنِ حاجبؒ کی کتاب کافیہ کی شرحیں اگرچہ لاتعداد ہیں' مگر سب میں مقبولیت اسی فوائدِ ضیائیہ کو نصیب ہوئی ہے۔ آپ کی تحقیق یہ ہے کہ اسم عدد جو خاص اس نمونے کا ہے۔ وہ درجہ اور رتبہ کے معنے سے ہر گز خالی نہیں ہوسکتا۔ بشرطیکہ صیرورت کے معنے سے فارغ ہو۔ چنانچہ: شرح جامی مطبوعہ قیومی کانپور کے صفحہ ۲۵۵ پر لکھتے ہیں: اَیْ اَحَدُهَا لٰكِنْ لَا مُطْلَقًا بَلْ بِاِعْتِبَارِ وُقُوْعِهٖ فِی الْمَرْتَبَةِ الثَّالِثَةِ اَوِ الرَّابِعَةِ اَوِ الْخَامِسَةِ وَ اِلَّا يَلْزَمُ اِرَادَةُ الْوَاحِدِ الْاَوَّلِ مِنْ عَاشِرِ الْعَشَرَةِ وَ ذٰلِكَ مُسْتَبْعَدٌ جِدًّا۔ "ثالثِ ثلاثہ سے مراد کوئی ایک نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد وہ ایک ہے جو تیسرے یا چوتھے یا پانچویں درجہ میں واقع ہو۔ کیونکہ اگر اس سے مراد کوئی ایک ہے تو لازم آئے گا کہ عاشر العشرہ سے مراد پہلا ایک ہے۔ حالانکہ یہ چیز عقل سے بہت ہی دُور ہے"۔

تشریح کلام: اسم عدد جو فاعل کے وزن پر ہوتا ہے۔ اسے فاعلِ عددی بھی کہتے ہیں اور فاعل کذائی بھی اس کا نام ہے' اس وزن سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اسم عدد کے پہلے حرف کے بعد اور دوسرے حرف سے پہلے ایک الف زائد کردیا جائے جیسے: ثانی' ثالث' رابع' خامس' سادس' سابع' ثامن' تاسع' عاشر' اسم عدد کا خاص یہ نمونہ جب اپنے مشتق منہ کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس وقت معدود کے درجے اور مرتبے کو واضح کرتا ہے۔ علامہ ابنِ حاجبؒ نے کافیہ میں اس مسئلے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ اَیْ اَحَدُهَا جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس ترکیب میں ثَالِثُ کا ترجمہ ایک ہے' اور جہاں تین اکائیاں پائی جاتی ہیں تو وہاں ہر ایک اکائی کو ایک ہی کہا جاتا ہے۔ پس علامہ ابنِ حاجب کے ترجمہ نے مثال کو ممثل لہٗ کی مطابقت سے نکال دیا۔ کیونکہ ممثل لہٗ تو وہ فاعل کذائی تھا جو مرتبہ اور درجہ معدود کا بیان کرے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے حضرت مولانا

جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بھائی علامہ ابنِ حاجب کے کلام کو غلط معنے نہ پہنا دیجیو۔ ان کی کلام میں جو لفظ "احد" آیا ہے، اس سے غیر معین اکائی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد تو خاص وہ اکائی ہے، جو تیسرے درجہ میں واقع ہوئی، اور اگر رَابِعُ اَرْبَعَةٍ بولا جائے، تو اس کے ترجمہ میں بقول ابنِ حاجبؒ جو لفظ "احد" آئے گی۔ اس سے مراد بھی خاص وہ اکائی ہوگی جو چوتھے درجہ میں واقع ہوگی۔ اسی طرح اگر خَامِسُ خَمْسَةٍ بولا جائے گا تو اس کے ترجمہ میں بقول ابنِ حاجبؒ جو لفظ اَحَد آئے گی، اس سے مراد بھی خاص وہ اکائی ہوگی جو پانچویں درجہ پر ہوگی۔ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ابنِ حاجبؒ کی کلام کے جو معنے معین کیے ہیں۔ ان کی دلیل میں فرمایا کہ اگر اکائی کو اس قسم کے اسمائے اعداد کے ترجمہ میں عام رکھا جائے تو لازم آئے گا کہ عَاشِرُ عَشَرَةٍ بول کر وہ اکائی مراد لی جا سکے جو درجہ میں سب سے پہلے ہو۔ حالانکہ کوئی عقل مند آدمی اس بات کو جائز نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ غیر معین اکائی کے لیے تو اَحَدُ الْعَشَرَةِ کافی شافی ہے۔ اس مطلب کے لیے عَاشِرُ عَشَرَةٍ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب مذکور پر بڑے بڑے محقق علمائے نحو نے حاشیے لکھے ہیں، مگر آج تک شرح ملا جامیؒ کے کسی محشی نے اس موقعہ پر پہنچ کر آپ کی اس تحقیق کے غلط ہونے کا خیال بھی نہیں کیا۔ ملا عصام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نحوی قانون دانی سے کون ناواقف ہے؟ کئی موقعے ہیں جہاں حضرت مولانا جامیؒ پر اعتراض کیے ہیں، شرح جامی کے حاشیہ عصامیہ کا مطالعہ کرنے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ملا عصام اعتراض کے موقعہ سے چوکنے والے نہیں ہیں، مگر باوجود اس کے ثالث ثلاثہ کے معنے کی جو تحقیق مولانا جامیؒ نے اپنی کتاب میں تحریر فرمائی ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکے۔

باقی رہ گئے حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب سیالکوٹیؒ، تو آپ نے تکملہ عبد الغفور لاری میں حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وہ تصدیق فرمائی ہے کہ باید و شاید۔ ملاحظہ ہو تکملۂ عبد الغفور مطبوعہ مطبع علوی لکھنو صفحہ ۲۴ سطر ۲: قَوْلُهٗ وَ ذٰلِكَ مُسْتَبْعِدٌ جِدًّا اَيْ عِنْدَ الْعَقْلِ اِذِ الظَّاهِرُ اَنْ يُّقَالَ اَوَّلُ الْعَشَرَةِ وَثَانِي الْعَشَرَةِ لَا عَاشِرُهَا وَاَمَّا الْاِسْتِعْمَالُ فَغَيْرُ وَاقِعٍ۔ مولانا جامیؒ نے جو کہا ہے کہ یہ بات بہت دور ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ

عقل کے نزدیک۔ اس لیے کہ اس موقع پر اول العشرہ اور ثانی العشرہ کہنا عقل کے نزدیک ظاہر باہر ہے، نہ عاشر العشرہ۔ اور استعمال تو واقع ہی نہیں ہوا۔

تشریح کلام حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ شارحِ کافیہ مولانا جامی کی تائید اور تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عَاشِرُ عَشَرَۃ سے پہلی اکائی مراد لینا عقل و نقل کے برخلاف ہے۔ اس لیے کہ دس اکائیوں میں سے پہلی اکائی کے واسطے اَوَّلُ الْعَشَرَۃ اور دوسری اکائی کے واسطے ثانی العشرہ بولنا مطابقِ عقل ہے۔ اس موقعہ پر عَاشِرُ الْعَشَرَۃ عقل کے سخت خلاف ہے۔ اور کلامِ عرب میں استعمال بھی اسی طرح پر ہے۔ دس اکائیوں میں پہلی اکائی کے واسطے اول العشرہ بولا جاتا ہے۔ دوسری اکائی کے واسطے ثانی العشرۃ بولا جاتا ہے۔ تیسری اکائی کے واسطے ثالث العشرہ بولتے ہیں۔ اور چوتھی اکائی کے واسطے رابع العشرہ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن ان مواقع میں عَاشِرُ العشرہ کو کوئی عرب استعمال میں نہیں لاتا۔ معلوم ہو گیا کہ عاشر العشرہ کا معنے دس میں سے دسواں ہے۔ نہ کہ دس میں کا ایک۔

علامہ حسین بن احمد آفندی زینی زادہ

علمِ نحو میں کافیہ کو وہی مقام حاصل ہے جو علمِ طب میں قانونِ شیخ کو اور علمِ منطق میں سلم العلوم کو اور علمِ حدیث میں صحیح بخاری کو حاصل ہے۔ اسی واسطے جس قدر کافیہ نحو کی شرحیں اور حاشیے لکھے گئے ہیں۔ کسی اور کتاب کے اس قدر کیا بلکہ اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں لکھے گئے۔ کافیہ کے حواشی میں علامہ زینی زادہ کا حاشیہ نہایت مُعتبر یقین کیا جاتا ہے۔ پس سرِ دست اس حاشیہ سے بھی وہی چیز پیش کی جاتی ہے جو شرح جامی سے پیش کی گئی تھی۔ دیکھو حاشیہ کافیہ معروف بزینی زادہ مطبوعہ مطبع نظامی صفحہ ۲۷ حاشیہ ۲ : تَفْسِیْرُ معنیٰ ثَالِثُ ثَلَاثَۃٍ اَیْ اَحَدُ الثَّلَاثَۃِ الْمُتَأَخِّرِ بِدَرَجَتَیْنِ یَعْنِیْ "سوم سہ"۔ ابنِ حاجبؒ "ثالث ثلاثہ" کے معنے کی تفسیر کی ہے مراد اس کی یہ ہے کہ تین اکائیوں میں سے وہ اکائی جو دو درجے پیچھے واقع ہوئی ہے۔ فارسی میں یوں ترجمہ ہوگا : "سوم سہ"۔

نوٹ علامہ حسین بن احمد زینی زادہ نے بھی علامہ ابن حاجبؒ کی کلام کا وہی معنے معین کیا

جو حضرت مولانا جامیؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ لفظ اَحَدُ عام نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ ایک ہے جو تیسرے درجے پر ہوا کرتا ہے۔ فارسی میں سوم کے لفظ سے ترجمہ ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ حاجبؒ کے لفظ اَحَدُ نے بہت سے سطحی حضرات کو مغالطہ میں ڈالا ہے۔ اور پھر کمال سادگی ملاحظہ کیجیے کہ کافیہ کی شرحیں اور حاشیہ لکھنے والے محقق حضرات اصرار کررہے ہیں کہ ابنِ حاجبؒ کی مراد یہ ہے۔ مگر ادھر کان بھی نہیں دھرتے اور برابر کہے جارہے ہیں کہ ثَالِثُ ثَلَاثَۃٍ بمعنے تین میں کا ایک۔

علامہ عبدالنبی عُثمانی احمد نگری

کافیہ ابنِ حاجب کی فارسی شرح "جامع الغموص" مقبول خاص و عام ہے۔ فارسی زبان میں جو کافیہ کی خدمت علامہ عبدالنبی عثمانیؒ نے کی ہے اس کا بہت ہی اونچا مقام ہے۔ وہ اپنی کتاب "جامع الغموص" شرح کافیہ جلد سوم صفحہ ۹۶ پر رقمطراز ہیں: "وَفِي الثَّانِيْ" یعنی برائے اختلاف مذکور گفتہ مے شود در اعتبار ثانی کہ آں اعتبار بیان حال است، ثَالِثُ ثَلَاثَۃٍ باضافتِ ثالث بسوئے عدد مساوی باضافتِ معنوی یعنی سومی سہ و جائز است کہ اضافت او بسوئے عددے کہ فوق او بود مثلِ ثالث اربعۃ و ثالث خمسۃ و ھکذا۔ "ابن حاجب کی مراد یہ ہے کہ اختلافِ مذکور کی وجہ سے دوسرے اعتبار میں جو بیان حال کے لیے ہے ثالثِ ثلاثۃ کہا جائے گا۔ اور ثالث کی اضافت ثلاثۃ کی طرف اضافت معنوی ہوگی۔ فارسی میں ترجمہ یوں ہوگا "سومی سہ"۔ اور یہ بھی درست ہے کہ یہ ثالث کی اضافت اونچے عدد کی طرف ہو۔ جیسے کہ ثالث اربعۃ اور ثالث خمسۃ اسی طرح آگے بناتے جاؤ"۔

وقولہ اَیْ اَحَدُھَا تفسیر ثالث است یعنی یکے از ثلاث کہ در مرتبہ سوم واقع بود نہ مراد از و مطلق یک است از غیر خصوصیت مرتبہ والا لازم آید جواز ارادۂ ہر واحد برابر است کہ در مرتبہ اول بود یا ثانی یا ثالث بلکہ لازم مے آید جوازِ ارادۂ واحد اول از عاشر عشرہ ولا یخفی بعدہٗ "اور ابن حاجب نے جو احدھا کہا ہے تو یہ ثالث ثلاثۃ کی تفسیر فرمائی ہے۔ آپ کی مراد یہ ہے تین میں سے وہ ایک جو تیسرے مرتبہ میں واقع ہوتا ہے۔ مرتبہ کی خصوصیت کے بغیر کوئی ایک ابن حاجب کی مراد نہیں ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ لفظ عاشر عشرہ سے ہر اکائی

ارادہ کی جاسکے۔ چاہے وہ پہلے مرتبہ میں ہو یا دوسرے یا تیسرے مرتبہ میں، بلکہ اس سے تو یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس لفظ سے پہلی اکائی مراد لی جاسکے حالانکہ اس کا عقل سے دور ہونا ذرہ بھر بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

نوٹ جامع الغموص کی عبارت ناظرینِ کرام کے سامنے ہے۔ اور اس کا اردو ترجمہ بھی پیشِ خدمت ہے۔ فی سبیل اللہ اس میں غور کریں اور خوب غور کریں۔ کیا اس میں معاصر کی بات کی طرف کوئی اشارہ تک بھی موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے معاصر نے کافیہ میں لفظ اَحَدْ دیکھ لیا، اور بلا سوچ سمجھے ''الفاروق'' کے مضامینِ عالیہ کی تردید پر کمر باندھ لی۔ مولانا سعدی مرحوم نے اپنی مشہور کتاب ''گلستان'' میں کیا خوب فرمایا ہے۔

مزن بے تامل بگفتار دم
نکو گوئی گر دیر گوئی چہ غم

قرآن حکیم اور ثالث ثلاثہ

عیسائیوں کے عقاید بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ کافر ہوگئے جنھوں نے کہا: اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ اب دیکھنا چاہیے کہ اس فقرے کا معنیٰ کیا ہے؟ اور عیسائیوں کا عقیدہ کیا تھا؟ اور آج کل ان کا عمل کیا ہے؟ سو عرض ہے کہ اس فقرے کا ترجمہ حسبِ ارشادات علمائے نحو یوں ہوگا۔ تحقیق یہ ہے کہ اللّٰہ تین میں سے تیسرا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ تین اِلٰہ ہیں۔ پہلا عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرا مریم علیہا السلام، اور تیسرا خدا تعالیٰ۔ الوہیت میں انھوں نے پہلا نمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا اور دوسرا حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کو اور تیسرا نمبر خداوند کریم کو۔ اس عقیدے کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جب کوئی مشکل آپڑتی تو سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکارتے۔ اگر اس طریق سے وہ مشکل حل نہ ہوتی تو مریم علیہا السلام کو پکارتے اور اگر اس طریق سے بھی وہ مُصیبت دور نہ ہوتی تو آخر میں خدا تعالیٰ کو پکارتے تھے۔ اور آج بھی عیسائی لوگوں میں جو مذہبی ہیں وہ اسی طرح پر عمل کرتے ہیں۔ پس خداوند تبارک و تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ یہ لوگ میرے مُنکر ہیں۔ جنھوں نے الوہیت میں اشتراک پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ مجھے تیسرے نمبر کا

Scanned with CamScanner

اِلٰہ مقرر کیا اور میرے نیک بندوں کو اِلٰہ نمبر اوّل مقرر کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں اشتراک کی گنجائش نہیں ہے، اور یہ لوگ الوہیت میں میرا تیسرا نمبر رکھتے ہیں، یہ بڑے ظالم ہیں، ضرور انھیں میں عذاب کروں گا، اگر اس حرکت سے باز نہ آئے۔

عبرت : زمانۂ حاضرہ میں بعض مسلمان بھی اس راستے پر چل پڑے ہیں۔ دکھ مصیبت میں صُلحائے امت خدا کے برگزیدہ بندوں کو پکارتے ہیں اور جب مکمل مایوسی سے ہمکنار ہوتے ہیں تو آخر میں خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں، اور بعض تو ایسے کند ذہن بھی ہوتے ہیں جو اسی حالت میں اس عارضی سرائے سے کوچ کر جاتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کو پکارنے کی ہمت نہیں پاتے۔ عیسائیوں نے خدا تعالیٰ کو تیسرا نمبر دیا تھا۔ مگر ہمارے وہ مسلمان بھائی جو صُلحائے امت کو پکارنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ تیسرا نمبر بھی نہیں دے سکتے۔ کیونکہ صُلحائے امت اور اولیائے کرام کی تعداد کافی ہے، اس لیے وہ خود ہی جانتا ہے کہ ان کے یہاں اس کا کونسا نمبر ہے۔

علامہ عبد الرسول نحوی صاحبِ متنِ متین

آپ کی کتاب "متنِ متین" علمِ نحو میں امتیازی شان رکھتی ہے۔ اور اس کا پڑھنا پڑھانا خاص علماء و فضلاء کا حصہ ہوتا ہے۔ کَانَ یَکُوْنُ کا ترجمہ کر کے دستارِ فضیلت زیبِ سر کرنے والے اس کوچہ میں قدم بھی نہیں رکھتے۔ آپ متنِ متین مطبوعہ مجتبائی دہلی کے صفحہ ۲۲۷ پر لکھتے ہیں : اِذَا قُصِدَ بَیَانُ وَاحِدٍ مِنْ مُتَعَدِّدٍ بِاِعْتِبَارِ ذَاتِہٖ فَاَحَدُ کَذَا وَوَاحِدُ وَ اِحْدٰی اَوْ بِاِعْتِبَارِ دَرَجَتِہٖ فَقَطْ فَالْاَوَّلُ وَ الْاُوْلٰی وَ الثَّانِیْ وَ الثَّانِیَۃُ وَ ھٰکَذَا وَ الْحَادِیْ عَشَرَ وَ الْحَادِیَۃُ عَشَرَۃَ وَ الْحَادِیْ وَ الْعِشْرُوْنَ وَ الْمِاَۃُ وَ الْاَلْفُ اَوْ مَعَ اِعْتِبَارِ الدَّرَجَۃِ التَّحْتَانِیَّۃِ الزَّاھِبَۃِ الزَّاھِبَۃِ الْاِسْمِ بِانْضِمَامِہٖ فَالثَّانِیْ اِلَی الْعَاشِرِ فَلَا یُضَافُ الْاَوَّلُ اِلَّا اِلَی الزَّائِدِ وَ لَا الثَّانِیْ اِلَّا اِلَی الزَّائِدِ وَ الْمُسَاوِیْ وَ لَا الثَّالِثُ اِلَّا اِلَی النَّاقِصِ بِوَاحِدٍ وَ اِضَافَتُہٗ لَفْظِیَّۃٌ۔ "جب چند چیزوں کے شمار کے وقت درجہ کا لحاظ کیے بغیر ایک اکائی بیان کرنا مقصود ہو تو لفظ احد کو مضاف کر دیا جاتا ہے۔ اور مذکر کے لیے واحد اور مؤنث کے لیے احدیٰ بولا جاتا ہے۔ اور اگر صرف درجہ بیان کرنا ہو تو اول، اولیٰ۔ اور ثانی، ثانیہ۔ اور حادی عشر، حادیہ عشرہ، اور حادی العشرون، اور مأۃ، اور الف، بولا جاتا ہے۔

اور اگر نچلے عدد کے ساتھ مل کر اس کا نام مٹا دینا اور اس کو بڑھا دینا مقصود ہو تو ثانی تا عاشر بولتے ہیں۔ پس پہلی قسم کے اسم عدد زائد ہی کی طرف مضاف کیے جاتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے اسمائے عدد زائد اور مساوی کی طرف مضاف ہوا کرتے ہیں، اور تیسری قسم کے اسم عدد اپنے سے ایک درجہ ناقص کی طرف مضاف ہوتے ہیں۔ اور اس تیسرے قسم کے اسم عدد کی اضافت کو اضافتِ لفظی کہا جاتا ہے"۔

متنِ متین کی اس عبارت کی تشریح

(۱) اگر چند چیزوں کو اسم عدد لاحق ہوا ہے تو پھر متکلم کا قصد اگر غیر معین اکائی کے بیان کرنیکا ہو تو لفظ احد کو پورے اسم عدد کی طرف مضاف کر دے جیسا کہ دس آدمیوں کی ایک غیر معین اکائی کے اظہار کے لیے اَحَدُ الْعَشَرَةِ کہا جائے گا۔ یعنی یہ شخص دس آدمیوں میں ایک ہے۔ اس کے درجے کی کوئی تعیین نہ ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ اس صورت میں احد کی اضافت اپنے سے اوپر کے عدد کی طرف ہوگی۔ مساوی کی طرف اضافت ناممکن ہوگی۔ اور اگر اضافت ترک کر دیں۔ تو مذکر کے لیے وَاحِدٌ اور مؤنث کے لیے اِحْدٰی استعمال کیا جائے گا۔ جیسا کہ وَاحِدٌ مِنَ الْعَشَرَةِ یا اِحْدٰی مِنَ الْعَشَرِ۔

(۲) اگر متکلم کا ارادہ اکائی کے لیے اپنے خاص درجے کی تعیین کرنے کا ہو، تو واحد مذکر کے لیے اَوَّلُ اور واحد مؤنث کے لیے اُوْلٰی اور واحد مذکر کے لیے ثَانِیْ اور واحد مؤنث کے لیے ثَانِیَۃٌ اور واحد مذکر کے لیے حَادِیْ عَشَرَ اور واحد مؤنث کے لیے حَادِیَۃَ عَشَرَہ اور واحد مذکر کے لیے حَادِیْ و الْعِشْرُوْنَ اور واحد مؤنث کے لیے حَادِیَۃٌ وَ الْعِشْرُوْنَ استعمال کیا جائے گا۔ اس صورت میں اضافت زائد کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور مساوی عدد کی جانب بھی درست ہے جیسے ثانی اثنین اور ثَالِثُ ثَلَاثَۃ۔

(۳) اگر متکلم کا ارادہ ہو کہ چھوٹے عدد کو بڑے عدد میں تبدیل کر دے اور چھوٹے عدد کا نام نہ رہے تو واحد مذکر کے لیے ثَانِیْ سے لے کر عَاشِرْ تک اور واحد مؤنث کے لیے ثَانِیَۃٌ سے لے کر عَاشِرَۃٌ تک اسم فاعل تیار کیا جاسکتا ہے۔ اس سے آگے یہ عمل جائز نہیں ہے۔ یہ اسم فاعل ہمیشہ اپنے مُشْتَق مِنہ سے ایک درجہ کم اسم عدد کی طرف مضاف ہوا

کرتا ہے۔ جیسے ثَالِثُ اِثْنَیْنِ یعنی دو کو تین بنانے والا صورت اس کی یہ ہے کہ پہلے دو آدمی تھے ایک اور آدمی ان میں داخل ہو گیا۔ تو اس نے دو کے تین بنا ڈالے اور اسم عدد تبدیل ہو گیا۔ اور وہ اسم عدد جو اس تیسرے آدمی کے شامل ہونے سے پہلے تھا ختم ہو گیا۔

ناظرینِ کرام! متن متین کی تحقیق سے بھی معلوم ہو گیا کہ ثَانِیَ اثْنَیْنِ کا ترجمہ دو میں کا دوسرا ٹھیک ہے۔ اور ثَالِثُ ثَلَاثَۃٍ کا معنے بھی تین میں کا تیسرا صحیح ہے۔ خدا جانے معترز معاصر کو کیا ہو گیا ہے؟ کہ علمِ نحو کی کتابیں موجود ہیں اور غلط بیانی کرتا ہے کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ علمِ نحو کی کتابیں کسی دوسرے کے پاس نہیں ہیں؟ یا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں اپنی اخبار میں جو حوالے پیش کردوں گا' کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ تسلیم کر لیے جائیں گے؟

اگر آپ کی اخبار کو غور سے دیکھ لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ابھی تک آپ علمِ نحو کی کتابوں کو سمجھے ہی نہیں ہیں۔ اگر آپ کچھ سمجھے ہوتے تو زینی زادہ کا نام کیوں لیتے جو آپ کے خلاف لکھ چکا ہے۔ جیسا کہ میں نے اس کی عبارت مع ترجمہ نقل کردی ہے۔ اسی طرح جامع الغموض کو بھی آپ نہیں سمجھے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

اقوالِ مُفسّرین

مُفسّرینِ کرام رحمہم اللہ تعالےٰ کے کلام میں جو لفظ احد یا واحد آیا ہے وہ بھی ٹھیک اسی طرح پر ہے جس طرح کہ علامہ ابن حاجبؒ کے کلام میں ہے اور جو تشریح مولانا جامیؒ نے ابنِ حاجبؒ کے کلام کی فرمائی ہے' وہی تشریح مُفسّرین کے کلام کی ہے مگر کیا کیا جائے یہ نکات تو جب دستیاب ہوتے ہیں کہ مادہ تحقیق سے کچھ حصہ ملا ہو جو اس چیز سے تہی دست ہے۔ اس کو مولانا جامیؒ اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ اور علامہ عبدالنبی احمد نگری عثمانیؒ اور علامہ حسین بن احمد زینی زادہؒ کی تشریحات کب میسر آتی ہیں؟ اگر آنکھ سے دیکھے گا تو بھی کچھ نہ سکے گا۔

مصاحبت ابوبکر رضی اللہ عنہ

اس عنوان کے ماتحت ہمارے معاصر نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت با نبوتؐ کو مخدوش کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ اور ایک بے سروپا طویل روایت نقل کر کے دکھایا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ شہر سے باہر راستے میں جا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے ہیں۔ آنحضور

Scanned with CamScanner

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ نہیں لیا۔ مگر افسوس کہ اس کتاب کا نام نہیں لکھا جس سے یہ روایت نقل کی ہے۔ حالانکہ آپ کی عادت ہے کہ حوالہ دیا کرتے ہیں۔ خاص اس موقع پر حوالہ نہ دینا حکمت سے خالی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حوالہ دینے سے ڈر گئے ہیں، جانتے ہیں کہ جس کتاب کا یہ حوالہ ہے وہ کتاب مخالف پر حُجت کا کام نہیں دے سکتی۔ خیر بہرحال ہم حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے رفاقتِ نبوتؐ کے بارے کچھ معروضات پیش کرنا مناسب جانتے ہیں۔ حضرت امام عالی مقام اپنی مشہور و معروف تفسیر حسن عسکری میں ایک مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ:

"خدا تعالیٰ کی جانب سے حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضرِ خدمتِ نبوتؐ ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرا پروردگار تجھے سلام پہنچاتا ہے، اور حکم دیتا ہے کہ ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر مکہ شہر سے روانہ ہوجائیں۔ آمَرَكَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَابَكْرٍ"۔

معلوم ہوا کہ جو روایت معاصر نے پیش کی ہے وہ غلط ہے۔ کیونکہ امام کی روایت اس کی تردید کے لیے کافی ہے۔ معاصر کا فرض ہے کہ حضرت امام حسن عسکری کی اس حدیث کو قبول کرے۔ اور اپنے لکھے ہوئے مضمون سے توبہ شائع کرے اور یا پھر اس حدیث کی تردید کی کوئی صورت پیدا کرے۔

امام حسن عسکری رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت امام حسن عسکریؒ کی اس حدیث کو ملا باقر مجلسی نے بھی اپنی کتاب حیات القلوب جلد دوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ صفحہ ۳۵۱ پر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: "در امر کردہ است کہ ابوبکر را ہمراہ خود ببری"۔ "اور خدا نے تجھے حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو اپنے ساتھ لے جائیں"۔

نوٹ ملا باقر مجلسی چونکہ سخت متعصب ہیں اس لیے انھوں نے حضرت امام حسن عسکری رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیث کا صحیح ترجمہ نہیں کیا۔ اور اس میں اپنی طرف سے اس قدر اضافے کیے ہیں کہ حدیث کی صورت ہی مسخ کردی ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ بات ایک معجزہ سے کم نہیں ہے کہ ملا باقر مجلسی نے بھی تسلیم کرلیا کہ خدا تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم دیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے جائیں اور ساتھ ہی اس بات کو بھی مان گئے کہ یہ فقرہ حضرت امام حسن

عسکری کی حدیث میں ہے کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

لاکھوں چھپایا رازِ محبت نہ چھپ سکا
آنکھوں نے رو کے یار سے اظہار کردیا

قرآنِ حکیم کیا کہتا ہے؟

حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی حدیث چونکہ قرآن کے مطابق ہے اور قرآنِ حکیم اس کی تائید میں ہے اس لیے اس حدیث کی تردید کسی صاحبِ ایمان کو مناسب نہیں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ میری آل اور قرآن ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے وہ حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس حدیث سے خوب نمایاں ہورہا ہے وجہ اس تائید کی یہ ہے کہ نظمِ قرآنی میں تھوڑا غور کرنے سے معلوم ہورہا ہے کہ جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا عمل میں آیا ہے اسی وقت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ دیکھو سورۂ توبہ کی وہ مشہور آیت جس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مذکور ہے یوں ہے: فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ۔ یعنی خدا نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت امداد کی جس وقت کافروں نے آپؐ کو نکال دیا۔ اس حال میں کہ آپؐ کے ساتھ ایک دوسرا آدمی تھا۔

معلوم ہوا کہ نکالنے اور نکلنے کے وقت میں دوسرا آدمی آپ کے ساتھ تھا۔ جب تک آپ اپنے گھر میں تھے تب تک وہ دوسرا اپنے گھر میں تھا۔ اور اسی طرح جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر جانے کا ارادہ کرکے نکلے۔ تب بھی وہ دوسرا آدمی اپنے گھر میں تھا۔ لیکن جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکلے ہیں تو سفرِ ہجرت کا آغاز ہوا ہے۔ 'دریہ جوان آپؐ کے ہمراہ ہے۔ خدا تعالیٰ قرآنِ حکیم میں اسی مصاحبت سفر ہجرت کا بیان فرمارہے ہیں۔ جس کی تردید کے لیے ابنائے زمانہ کمر بستہ ہیں۔ اگر ان کی بات تسلیم کرلی جائے اور کہدیا جائے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شہرِ مکہ سے نکلتے وقت تنہا تھے اور راستہ میں جاتے ہوئے ابوبکرؓ سے اتفاقیہ ملاقات ہوگئی تو قرآن کی مذکورہ آیت میں "ثانی اثنین" بالکل بےکار اور سخت مہمل بلکہ خلافِ واقعہ ہوجاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

جس سے کلامِ الٰہی ضرور پاک ہے۔ کوئی شخص جو قرآنِ حکیم پر دل و جان سے ایمان رکھتا ہے وہ تو اس قسم کے خیال کو بھی گناہِ عظیم جانتا ہے۔ مگر ہمارے ملک میں ایسے پہلوانوں کی بھی کمی نہیں ہے جو کمزور روایات کے سہارے قرآنی حقائق کی تردید کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ راستے میں ملنے کی روایت کی ذرا سند تو پڑھ کر سنائیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

کہا جاتا ہے کہ غار میں جانے سے پہلے ضمیر تثنیہ دکھائی نہیں دیتی۔ اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ مکہ شہر سے نکلتے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ نہ تھے۔ راستے میں آ کر ملے ہیں۔ ان عقل مندوں کو ابھی تک اس بات کی بھی خبر نہیں ہے کہ ضمیر غائب کے لیے مرجع کی تلاش لازمی ہوتی ہے۔ اور وہ مرجع ضمیر غائب کے ذکر سے پہلے مذکور ہوتا ہے۔ آیتِ غار میں جو ضمیر تثنیہ غائب کے لیے آئی ہے' اس کا مرجع پہلے موجود ہے۔ دیکھو "ثانی اثنین" میں جو لفظ مضاف الیہ ہے' وہی اس ضمیر تثنیہ کا مرجع ہے۔ اور اس سے مراد ہیں حضرت نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بمعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

سبحان اللہ یہ بھی عجیب استدلال ہے کہ غار سے پہلے ضمیر تثنیہ پائی نہیں گئی واحد ہی رہی ہے۔ راقم کہتا ہے کہ جب اس ضمیر تثنیہ سے پہلے اسم ظاہر "اثنین" موجود ہے جو اس کا مرجع ہے' اور جس کی طرف یہ ضمیر لوٹتی ہے' تو پھر کسی اور چیز کی کیا ضرورت رہتی ہے؟ اور ظاہر ہے کہ "اثنین" حکم میں تثنیہ کے ہے۔ اگرچہ حقیقی تثنیہ نہیں' اور ضمیر کا مرجع بننے کے لیے اس قدر کافی ہے۔ اس کے لیے کسی نحوی نے حقیقی تثنیہ کی شرط نہیں لگائی۔ ہمارے معاصر نے تسلیم کیا ہے کہ "ثانی اثنین" حال ہے' اور تمام نحوی متفقہ طور پر لکھ گئے ہیں کہ حال کا اور اس کے عامل کا زمانہ ایک ہی ہوتا ہے تو یہاں "ثانی اثنین" کو حال تسلیم کر لینے کے بعد یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس کا اور اس کے عامل یعنی اخراج کا زمانہ ایک نہیں ہے۔ معلوم ہو گیا کہ قرآنِ حکیم اخراج کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت ثابت کر رہا ہے۔ اور ہمارے معاصر کمزور اور نہایت ضعیف روایات کے سہارے اس چیز کی تردید فرما رہے ہیں۔

ایک لطیفہ : صحاحِ ستہ میں جو حدیثِ غار ہے اور جس سے رفاقت اور مصاحبتِ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثابت ہے، معاصر مذکور اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روایت عائشہؓ اور اسماءؓ دختران ابوبکرؓ کے علاوہ کسی سے مروی نہیں ہے اور وہ دونوں اس وقت کمسن بچیاں تھیں۔ اس لیے یہ روایت قابلِ اعتبار نہیں۔ جواب میں راقم آثم گذارش پیش کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے رفاقتِ سفرِ ہجرت تو قرآنِ حکیم اور قدیم سے ثابت ہو رہی ہے۔ کیا اس پر بھی کمسنی کا اعتراض ہے؟ نیز تفسیر امام حسن عسکری رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حیات القلوب ملا باقر مجلسی سے ہم سابقہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں کہ خدا کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لیا۔ کیا امامؑ عالی مقام پر کمسن ہونے کا اعتراض کیا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

نیز یہ بات بھی غلط ہے کہ حدیثِ ہجرت کا راوی بغیر ان دونوں بہنوں کے کوئی نہیں ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی حدیثِ ہجرت مروی ہے۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر کی رفاقت کا ذکر موجود ہے۔

ایک نئی دلیل "ثانی اثنین" کو مفسرینِ کرام نے نَصَرَہُ اللہ کی ضمیر سے بھی حال تسلیم کیا ہے۔ اس صورت میں معنی یوں ہوگا: "خدا نے اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت امداد کی جس وقت اس کے ساتھ دوسرا آدمی تھا"۔ ظاہر باہر ہے کہ اس نصرتِ خداوندی کا موقعہ شہرِ مکہ میں ہے۔ کیونکہ شہر کی گلی کوچہ میں دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھومتے پھرتے تھے۔ اور آپؐ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ ہر ایک مشرک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خونخوار درندہ کی پوزیشن میں تھا۔ پس شہرِ مکہ کی گلیوں میں خدا تعالیٰ نے امداد اس طرح کی کہ آپؐ کسی مشرک کو نظر نہ آئے۔ خداوند رحیم و کریم نے مشرکوں کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بچ کر نکل گئے۔ پس روزِ روشن کی طرح اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اس خاص نصرت اور امداد کے وقت وہ دوسرا آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کو نظر نہ آئے اسی طرح حضورؐ کا وہ رفیق بھی کفار کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اب صاحبانِ انصاف ہی بتلائیں کہ آیتِ قرآن کے مقابلہ میں اس روایت کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے جس سے بیرونِ مکہ راستہ میں حضرت ابوبکرؓ کے جا ملنے کا مذکور ہے؟

حُزنِ رفیق

قرآن کہتا ہے کہ غارِ ثور میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غم لاحق ہوا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو یہ غم کیوں لاحق ہوا؟ اور کس بات کا غم تھا جو آپ کو بےچین کر رہا تھا؟ سو ظاہر ہے کہ یہ غم اپنی جان کا غم تو ہرگز نہ تھا۔ کیونکہ اگر آپ کو اپنی جان کی حفاظت منظور ہوتی اور اپنی ذات کا بقا اور سکھ مقصود ہوتا تو ایسے کٹھن سفر میں قدم ہی کاہے کو رکھتے؟ جب تمام رؤسائے مکہ اور سب مشرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے ہیں تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو قدم چلنا بھی خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قریش کو حضرت ابوبکر کی رفاقت کا علم ہوا تو انھوں نے دو سو اونٹ کے انعام کا اعلان کیا۔ ایک سو اونٹ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پکڑنے والے کو اور ایک سو اونٹ ابوبکرؓ کو پکڑ کر لانے والے کو۔ جیسا کہ ہم نے اس چیز کو "الفاروق" "ثانی اثنین نمبر" بابت یکم نومبر ۱۹۵۹ء میں بحوالۂ کتبِ سیر لکھا ہے۔

ہر عقل مند اس بات پر یقین کرنے کے لیے مجبور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو کچھ غم لاحق ہوا تھا۔ وہ صرف حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات بابرکات سے متعلق تھا کہ دشمن سر پر آ گیا ہے۔ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ کہا جاتا ہے کہ غم فوت شدہ چیز پر ہوتا ہے اگر اس قاعدہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی ہم کہتے ہیں کہ دشمن کے سر پر آجانے کی وجہ سے امن فوت ہو گیا تھا اور امن کے فوت ہو جانے کے دو ہی نتیجے ہو سکتے تھے ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قتل اور دوسرا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے قتل ہو جانے کی تو کوئی پرواہ نہ تھی جیسا کہ ابھی ابھی ذکر ہو چکا۔ آپ کو جو کچھ فکر اور غم تھا تو وہ اس محبوب کے لیے تھا جس کے واسطے سب کچھ قربان کر چکے تھے۔ پس یہ حزن و ملال تو ایک عظیم الشان خوبی تھی جس کو ہمارے معاصر عیوب میں شمار کر رہے ہیں اور اس کے قرآن سے ثابت ہونے پر بغلیں بجا رہے ہیں۔

اگر قرآنِ حکیم سے کسی کے محزون اور غمگین ثابت ہو جانے سے اس کا نقص لازم آجاتا ہے تو پھر حضرت لوط علیہ السلام کے بارے۔ کیا ارشاد ہوگا۔ اور حضرت مریم صدیقہ

علیہا السلام کے حق میں کیا فتویٰ دیں گے؟ اور خود حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیا رائے قائم کریں گے کہ خدا تعالیٰ نے سورۂ نحل کے آخر میں فرمایا ہے: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ یعنی اے نبی ان لوگوں پر غمناک نہ ہونا۔ معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی غمگین ہوجاتے تھے بلکہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غمگین رہا کرتے تھے۔

تناقض "ثانی اثنین" کی ترکیب کے بارے معاصر نے جو تحقیقات کے دریا بہائے ہیں۔ وہ آپ ہی کا حصہ ہوسکتا تھا۔ سارے مضمون کو سرسری طور پر پڑھنے سے بھی ظاہر ہورہا ہے کہ مضمون کیا ہے۔ تناقض اور اختلاف کا انبار ہے۔ اگر مارشل لاء کا زمانہ نہ ہوتا تو ہم صفحہ اور سطر کا نمبر دے کر عبارت نقل کرتے جاتے۔ جس سے ناظرینِ کرام کو معاصر کے کلام میں تناقض اور اختلاف کا حق الیقین ہوجاتا۔ سرِ دست اجمالاً عرض ہے کہ لفظ "ثانی اثنین" جس کے ترجمہ کی آپ تحقیق عمیق فرمارہے ہیں۔ آپ کے اس مضمون میں مُتعدد جگہ پر آیا ہے۔ ان میں سات مواضع تو وہ ہیں جہاں آپ نے "ثانی" کا ترجمہ "ایک" سے کیا ہے اور چھ عدد ایسی جگہیں ہیں جہاں "ثانی" کا معنے آپ نے "دوسرا" لکھا ہے۔ حالانکہ اسی معنے کی تردید میں مشغول تھے۔ گویا آپ ہماری تردید بھی کررہے ہیں اور ساتھ ساتھ تائید بھی فرمارہے ہیں۔

○

مُغالطے:

(۱) ہم نے "الفاروق" (ثانی اثنینؓ نمبر) میں بخاری شریف سے حضرت عمر بن خطابؓ کا ایک قول پیش کیا تھا۔ جس سے ثابت ہوتا تھا کہ آیتِ غار خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مسئلہ میں پیش کی گئی تھی۔ وہ قول یوں ہے: اِنَّ اَبَابَكْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللهِ وَثَانِيْ اثْنَيْنِ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تحقیق ہے کہ ابوبکرؓ خدا تعالیٰ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشین ہیں اور "ثانی اثنینؓ" ہیں۔

ہمارا مطلب یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت میں جو صحبت اور ثانویت ہے اس سے خلافت کے استحقاق پر استدلال فرمایا تھا۔ ہمارے معاصر اس چیز کی تردید کے سلسلہ میں

Scanned with CamScanner

رقمطراز ہیں کہ " ثانی اثنین " کا عطف "رَسُول اللہ " پر ہے "صاحب " پر نہیں ہے۔ اور ہم نے جو ترجمہ لکھا تھا اس سے واضح ہو رہا تھا کہ " ثانی اثنین " کا عطف "صاحب " پر ہے۔ اور یہ لفظ بذریعۂ عطف اِنَّ تحقیقیہ کی خبر ہے۔ اس پر آپ نے اعتراض جڑ دیا کہ اگر " ثانی اثنین " اِنَّ تحقیقیہ کی خبر تھی تو مدیر "الفاروق " نے اس کے نیچے زیر یعنی کسرہ کیوں لکھ دی؟۔ جواب لکھتے ہوئے مجھے بے اختیار ہنسی آ رہی ہے کہ ابھی تک جنھیں مرفوعات کی کیفیت معلوم نہیں وہ بھی اہلِ علم میں شامل ہو گئے۔ اس موقعہ پر مجھے پنجابی زبان کی ایک نہایت میٹھی کہاوت یاد آ گئی۔

"ٹنڈاں گھڑ نہ جانْدے تے مگھیاں دے اُستاد"

○

نحو میر میں لکھا ہوا ہے کہ اسم منقوص کا رفع تقدیری ہوتا ہے لفظی نہیں ہوتا۔ اگر سمجھ میں نہ آئے تو کسی سے نحو میر کا خاص یہ مقام سمجھ لیں۔ اور ظاہر ہے کہ ثَانِیَ اسم منقوص ہے۔ پس ثَانِیَ کو مرفوع پڑھنے کے لیے کسی پیش یعنی ضمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں ضمہ تقدیری ہے لفظی نہیں ہے۔ اور وہ زیر یعنی کسرہ جو مدیر "الفاروق " نے لکھا ہے وہ نون کا ہے، جو ثانی اثنین کی پہلی جزو میں تیسرے درجے پر ہے۔ اور خدا کی قدرت سے " ثانی " کا نُون محلِ اِعراب ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وسط کلمہ ہے، بلکہ محلِ اِعراب تو یائے ساکنہ ہے، جو آخر کلمہ میں ہے، اور التقائے ساکنین کی وجہ سے وہ ساقط ہو گئی ہے۔ اس لیے لکھنے میں موجود ہے پڑھنے میں نہیں آتی۔ خوب یاد کر لو، جنابِ معاصر نے عطف کی جو تقریر اپنی اخبار میں درج کی ہے کہ " ثانی اثنین " کا عطف "صاحب " کے نیچے اور رَسُول اللہ کے اوپر ہے، یہ غلط ہے۔ کیونکہ جب " ثانی اثنین " خدا کے "رَسُول " کی "صفت " قرار دی جائے، تو واؤ عطف کی ضرورت ہی نہیں رہتی، صفت موصوف میں تو عطف منع ہے۔

نیز حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں " ثانی اثنین " کا لفظ ابھی تک مذکور نہیں ہوا۔ ہاں معاصر مذکور کی مذکورہ ترکیب کے درست ہونے کی صرف ایک صورت ہے۔ اور

وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ثانی اثنین رضی اللہ عنہ میں مغایرت ہو۔ یعنی رسول اللہ جس کا لقب ثانی اثنین اس کے علاوہ کسی دوسری ہستی کا لقب ہو۔ اب خود معترض مذکور ہی بتلائیں کہ "ثانی اثنین" کون ہے؟

(۲) یَآ اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ کے بعد لکھتے ہیں کہ "مفسرین نے جو ثانی کا ترجمہ اَحَدٌ یعنی ایک اور اِثْنَیْنِ کا اُخر یعنی دو کیا ہے، یہ کس تحقیق پر مبنی ہے"۔ سبحان اللہ! علم ہو تو ایسا ہو۔ فرماتے ہیں کہ "اثنین" کا ترجمہ "اُخر" کیا ہے۔ کسی مفسر نے "اثنین" کا ترجمہ "اُخر" نہیں کیا۔ اگر واقعی آپ نے کہیں دیکھا ہے تو پیش کریں۔ اُخر کا معنے تو "دوسرا" ہوتا ہے۔ بھلا کوئی ایسا عالم بھی ممکن الوجود ہے؟ جو "اثنین" کا ترجمہ "دوسرا" یعنی "ثانی" کرے، اور اس ترکیب میں اضافت شی الی نفسہ کا ارتکاب کرے۔ معلوم ہو گیا کہ "اثنین" کا معنے "اُخر" بنانا، یہ معترض معاصر کی ایجاد ہے۔ جس سے مفسرینِ کرام بری ہیں۔ اور اس پر بس نہیں فرمائی۔ ایک اور "تماشا" ملاحظہ ہو کہ: "اُخر" کے ترجمہ میں "دو" لکھ دیا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ اس اعتبار سے دوسرے مغالطہ میں "دو" غلطیاں پائی گئی ہیں۔

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

○

کمپوزنگ بخطِ واسطی : گلستانِ کتابت (شعبۂ کمپیوٹر) سرگودھا

Scanned with CamScanner

پروگرام و اپیل

جامعہ فاروقِ اعظمؓ دارالمبلغین

مبلغ، مناظر پیدا کرنے کی راہ پر عرصہ ۷ سال سے گامزن ہے۔

الحمدللہ اس مختصر عرصہ میں ادارہ نے ۸۵ فاضل طلباءِ کرام کو اسناد دی ہیں۔ سامعین علماء اس کے ماسوا ہیں۔ تمام مذاہبِ باطلہ کی تردید، مناظرہ جید علماءِ کرام کے ذریعے پڑھائی جاتی ہے۔ یہ کورس ہر سال شعبان المعظم میں ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ادارہ کی طرف سے شعبۂ نشر و اشاعت بھی قائم ہے۔ جس میں امام پاکستان سید احمد شاہ صاحب بخاریؒ کی تمام تصانیف شائع کرنے کا پختہ عزم ہے۔ جس کی پہلی کڑی کتابِ لاجواب "تحقیقِ فدک" چھپ چکی ہے۔ اب یہ کتاب "ثانی اثنینؓ" نہایت ضرورت کے پیشِ نظر ادارہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

یہ تمام اخراجات ادارہ آپ حضرات کے فرضی صدقات زکوٰۃ، عشر، چرم ہائے قربانی اور صدقہ و خیرات سے پورا کرتا ہے۔

صاحبِ دل حضرات سے تعاون کی بھرپور اپیل ہے۔ ابھی تعمیری کام بہت باقی ہے۔ خود تشریف لا کر معائنہ کر سکتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ

رابطہ کے لیے :

خادم اہلسنت صاحبزادہ **سید خالد فاروق شاہ بخاری**

جامعہ فاروقِ اعظمؓ امام پاکستان اکیڈمی جامع مسجد ثانی اثنینؓ بشیر کالونی سرگودھا

فون : ۲۱۶۴۰۴

کمپوزنگ بخط داخلی : شعبۂ کمپیوٹر گلستان کتابت ۲۸۲ جوہر کالونی سرگودھا

Scanned with CamScanner

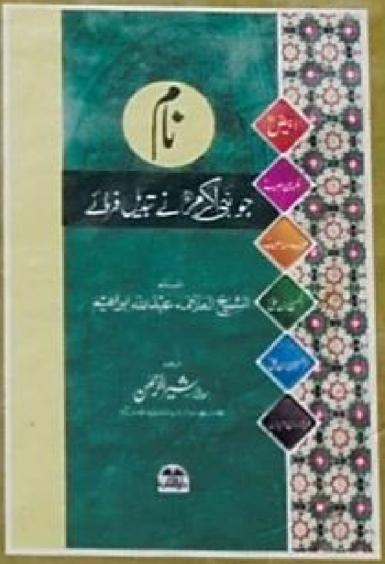

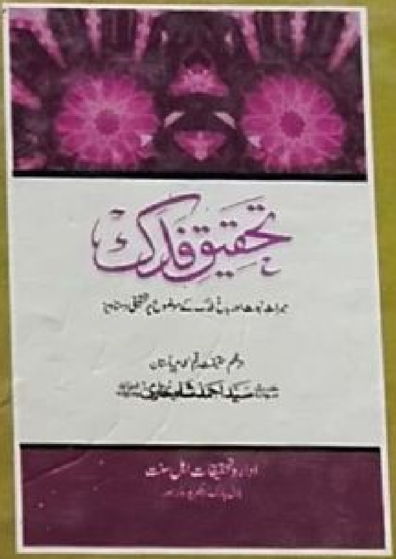

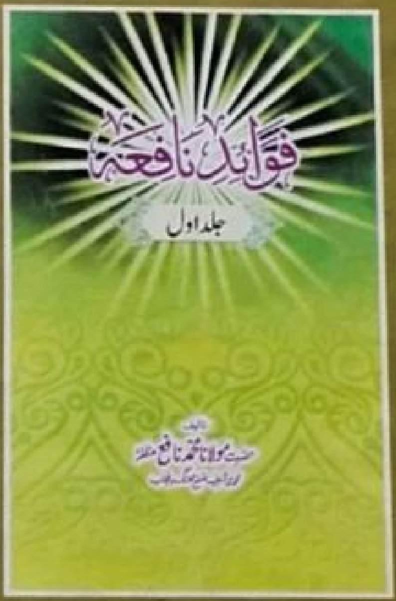

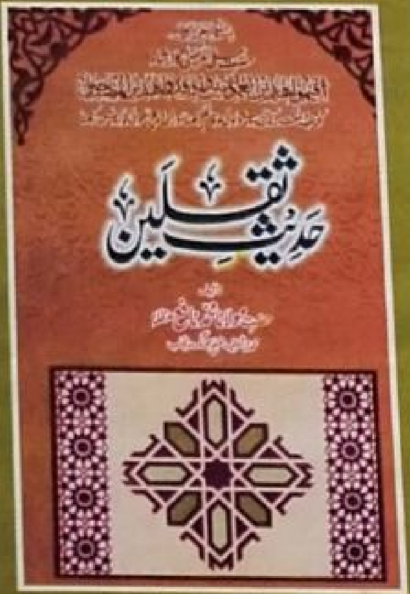

Designed by: Naveed Ahmad 0321-8401998

دارالکتاب ناشران وتاجران کتب

38- غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور- 042-37235094

Scanned with CamScanner